اعتبارِ محبت

عالیہ حرا

"تم ایک کینہ پرور، حاسد اور منافق لڑکی ہو مجھے
خود پر افسوس اور ندامت ہے کہ میں نے تمہارا انتخاب
کیا، اپنے پیاروں کا دل دکھایا اور یہ مجھے دل دکھانے
کی سزا ملی ہے تم میرے لیے محبت نہیں سزا ہو مجھے شفیق ماں
دل دکھانے کی سزا ملنی چاہیے۔" عباد کے لہجے میں
کار اور آنکھوں میں تنفر تھا..... شانیان ساکت تھی۔
"کس قدر چرب زبان، جھگڑالو اور طعنہ زن ہو تم،
ت تم پر ختم ہے، افواہیں پھیلانے میں تم ماہر ہو، کوئی
صوصیت تم میں گھر بسانے کی ہے، پچھلے ڈیڑھ سال

کے عرصے میں تم نے مجھے کیا دیا ہے سوائے دکھ،
درد مسلسل اور جلن کے..... تم ایک بدفطرت عورت
میں گھر بسانے کی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ میرا دل چا
ہے کہ میں دیوار سے سر ٹکرا کر مر جاؤں یا اس دن
دوبارہ دسترس میں کرلوں جب میں نے تمہارا انتخاب
تھا۔ کیا ہے تمہارے اندر.....؟ سوائے اس چہر
کے..... اس چہرے نے مجھے کتنی اذیت دی ہے، کوئی
سے پوچھے خوبصورت چہرے کی اصلیت....."
عباد کے منہ سے کف نکل رہا تھا اسے شانیان

زرد چہرے کی قطعی پروا نہیں تھی بلکہ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا سوائے اس غلاظت و نجاست کے جو وہ ابھی سہہ کر آ رہا تھا یا اس اسلت کے جو اس کے انتخاب پر خاص پڑی گئی تھی۔

"میں...... میں گھر والوں کو چھوڑ دوں کیوں؟ صرف تمہارے لیے...... کیا دیا ہے تم نے مجھے جو میں اپنے پیاروں کو اذیت دوں؟"

"میری بھابیاں، میری بہنیں، میری ماں بری نہیں، تم بری ہو، تم...... تمہارے اندر کینہ اور بغض بھرا ہے جن کے اندر اچھائی نہ ہو انہیں دوسروں کی اچھائی نظر آ ہی نہیں سکتی۔ یہ مجھ پر آج کھلا ہے۔ شکر ہے خدا کا کہ تم ماں نہیں بنی ہو، تمہاری اولاد تمہاری طرح غافل رہتی میں اپنی زندگی اور آنے والی زندگی کو مزید غفلت کی نذر نہیں کر سکتا۔ میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ تمہارے جیسی لڑکیاں صرف کھیلنے اور وقت گزارنے کے لیے ہوتی ہیں، میں احمق تھا جو تم سے شادی کر بیٹھا۔ مگر وقت ابھی گزرا نہیں ہے۔ وقت اب بھی میرے ہاتھ میں ہے اور میں فیصلہ کر چکا ہوں۔" شایان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کے اندر بولنے کی صلاحیت ختم ہو گئی تھی۔ نگاہ اٹھا کر کھڑے ہوئے عباد کو دیکھا۔ تنفرانہ نگاہ نے اسے بھسم کر ڈالا۔

"تمہیں چھوڑنے کا فیصلہ۔"

محبت رخت سفر باندھ کر پرواز کر چکی تھی۔ اس جگہ پر رسوائیاں اور بدنامیاں دھول اڑا رہی تھیں، عباد واپس جا رہا تھا۔

"لعنت ہے میری زندگی پر۔" اس کے پیچھے بھاگنے کی خواہش میں کھڑی ہوئی شایان کے قدم کسی نے کھینچ لیے۔

"لعنت ہے میری زندگی پر۔" وہ دھم سے کاؤچ پر گر گئی۔ اسے روکنے کی خواہش ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی۔

"لعنت ہے میری زندگی پر۔" آنسو بھگونے لگیں، دردِ مسلسل نے اس کے وجود کا احاطہ کر لیا اور پھر اسی کے وجود میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

نیم غنودگی کی حالت میں بند ہوتی پلکوں کے پیچھے عباد کا عکس سرایا تھا۔ اس کے وجود میں محبت سلامت تھی۔ غنودگی نے اس کے وجود کو غافل کر دیا۔ جب آنٹی سارہ...... شینی...... شینی پکارتی حواس باختہ انداز میں اندر آئیں، ابھی لان میں انہوں نے عباد کو تیزی سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ پیچھے سے انہوں نے آوازیں بھی دی تھیں مگر وہ جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کر کے نکلتا چلا گیا تھا۔

حواس باختہ سی آنٹی سارہ، شایان کو جھنجوڑ رہی تھیں۔ "شایان...... شایان...... شینی...... شینی۔"

☆☆☆

گاڑی رکنے اور گیٹ کھلنے کی آواز پر ندا اور راحمہ نے برق رفتاری سے پردہ کھسکا کر دیکھا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر عباد اکیلا بیٹھا گاڑی اندر لا رہا تھا۔

"شکر ہے نہیں لایا مصیبت کو۔" ندا بولیں۔

"کتنی بدنظمی اور بے سکونی رہتی ہے اس کے ہونے سے کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی۔" راحمہ نے بھی ٹکڑا لگایا۔

"عباد کو جانے اس میں کیا نظر آیا تھا؟" دونوں اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"خوبصورت چہرہ......!" دونوں نے طنزیہ ہنسی اڑائی۔

"خوبصورت چہرے ہی دراصل بدصورت چہرے ہوتے ہیں۔" بڑی بھابی اندر آ گئی تھیں۔

"امی جان جاگ رہی ہیں؟" ندا نے پوچھا۔

"ہاں، جاگ رہی تھیں، پریشان تھیں۔ گاڑی کی آواز سن کر میں نے لائٹ آف کر دی، بابا لائبریری میں تھے۔" بڑی بھابی ان کے برابر میں بیٹھ گئیں۔

"عباد ان کے کمرے میں جاتا تو وہ ساری رات سو نہیں سکتی تھیں۔ ویسے اکیلا آیا ہے یا......"

"صد شکر اکیلا آیا ہے۔ چڑیل ساتھ نہیں آئی۔ خوبصورت چڑیل بلکہ ڈائن...... جانے کس منحوس گھڑی وہ اس گھر میں آئی تھی۔" ندا نے کہا۔

"ویسے عباد بھی پریشان ہے اب۔" راحمہ کو ہمدردی ہوئی۔

"ہونہہ پریشانی اسکو ملے ہیں سب...... مرد پریشان ہو تو لمحے کی دیر نہیں لگاتا پریشانی کو دفع کرنے میں یہ جونک تو چمٹ گئی ہے۔ امی پریشان کیوں نہ ہوں۔ چھوٹا لاڈلا بیٹا اپ سیٹ رہنے لگا ہے۔" بڑی بھابی نے دونوں دیورانیوں کو دیکھا۔

"ویسے وہ ساتھ کیوں نہیں آئی؟" ندا نے دونوں سے پوچھا۔

"کر دی ہو گی پھر کوئی پریشانی والی فرمائش۔" راحمہ بولی۔

"نہیں آئی تو اچھا ہے، کچھ لمحے امن سے گزریں گے۔ یہ عباد نے جانے کیوں اتنی ڈھیل دے رکھی ہے، ڈرتا ہے اس سے شاید......" ندا بولیں۔

"اب تو میں کبھی بھی اسے منہ نہ لگاؤں۔" بڑی بھابی بولیں۔

"اور کیا اس نے اس قابل چھوڑا ہے کسی کو کہ اس کی جانب دیکھا جائے گا۔" عباد سن کر کھڑا رہ گیا۔

یہ اس کی تینوں پیاری بھابیوں کی رائے تھی اس کی بیوی کے بارے میں اپنے لاڈلے دیور کی منکوحہ کے بارے میں زریں خیالات...... تھکے تھکے قدموں سے چلتا وہ اوپر اپنے بیڈروم میں آ گیا۔ نفاست سے سجا اس کا کمرا، قرینے سے رکھی چیزیں، وہ اپنے بیڈ پر گر گیا۔ بے اختیار آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ چھت پر چلتے پنکھے کو دیکھے گیا۔

"مجھے اس گھر کی خوشیاں عزیز ہیں۔ مجھے آپ سب کے ہنستے مسکراتے چہرے اچھے لگتے ہیں۔ مجھے امی جان کی شفیق دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میں اسے چھوڑ دوں گا۔" چہرہ گھما کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی شادی کی تصویر کو دیکھا۔ ساتھ ہی آنکھوں کے گوشوں سے پانی نکل کر بالوں میں جذب ہونے لگا۔

"تم نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ کتنا برا بنا دیا ہے تم نے مجھے گھر والوں کی نظر میں۔" نگاہ گھما کر شگفتہ چہرے پر ڈالا۔ اس کے دل کے درد کو مسیحائی کی ضرورت تھی۔

وہ چوٹ کھا کر رو رہا تھا...... کہیں دور...... میں مسلسل سے تڑپتی شایان کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے اور ......

کہ اس کو دورہ پڑ رہا تھا یا خوشی منا رہی تھی۔

☆☆☆

"تم رات کو دیر سے آئے تھے عباد، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" ناشتے کی ٹیبل پر امی جان اس سے مخاطب تھیں۔

اس نے نگاہ چرا کر ننھے منے عمر کا گال کھینچا، پیار کیا جھک کر اور پھر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"جی امی، دیر سے آیا تھا۔ ایک آفس کی جانب سے ڈنر تھا۔ آفتاب میرے ساتھ تھا۔" وہ سلائس کترنے لگا۔ ندا بھابی نے ذومعنی انداز میں بڑی بھابی کو دیکھا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے ڈاکٹر کے پاس کب چلنا ہے؟" عباد نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کے پاس میں تمہارے ابو کے ساتھ جاؤں گی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم گئے تھے اسے لینے؟" ان کے پوچھنے پر اس کے ہاتھ رک گئے۔

"نہیں! امی جان آئندہ ہم اس موضوع پر بات

رشتوں کے مسئلے کا مکمل حل

آگر آپ اپنے بچوں کے جیون ساتھی کی تلاش میں سنجیدہ ہیں، ہم آپ کو دنیا بھر میں موجود پاکستانی کمیونٹی سے آپ کے اپنے منتخب کردہ معیار کے مطابق رشتے گھر بیٹھے پہنچانے میں خدمات فراہم کرتے ہیں، پوش اور سنجیدہ افراد اپنی پسندیدہ کمیونٹی اور علاقہ سے اپنے مطلوبہ رشتے حاصل کریں۔

services.com.pk

دنیا بھر میں مقیم پاکستانی افراد کو باہم ملانے والا بین الاقوامی ادارہ

رابطہ 051-7140366

نہیں کریں گے۔" عباد ناشتا ادھورا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"بھابی یاسر بھائی اور اویس بھائی آفس چلے گئے ہیں؟" عباد نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"ہاں، ساڑھے آٹھ بجے چلے گئے تھے۔"

"ٹھیک ہے امی، میں گاڑی چھوڑ کر جا رہا ہوں کلینک چلی جایئے گا۔" عباد اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکلنے لگا۔

"عباد، ہم زندگی کی حقیقتوں سے نظر چرا کر گزر سکتے ہیں اور نہ پہلو تہی کر سکتے ہیں، ہمیں ان مسئلوں کو سلجھانا پڑتا ہے۔" عباد نے جاتے ہوئے قدموں کو روک لیا۔

"زندگی میں الجھتے دھاگوں کو سلجھانے کے بجائے توڑ دینا چاہیے۔"

"میں چلتا ہوں امی جان دیر ہو رہی ہے خدا حافظ۔"

"زندگی دھاگے کی لچھی نہیں ہے عباد کہ اس میں سے الجھتے دھاگوں کو توڑتے چلے جائیں۔" انہوں نے عباد کا چہرہ پڑھ لیا تھا۔

"جی......" وہ باہر نکل گیا۔

زبیدہ بیگم نے سر جھکا کر تفکرانہ انداز میں دلیے کا پیالہ آگے کر لیا۔ راحمہ سب کو چائے دینے لگی۔

☆☆☆

"تم نے پوچھا تھا اس سے اس نے ایسا کیوں کیا؟" بڑی بھابی عباد سے مخاطب تھیں۔ چینل بدلتے ہوئے وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"نہیں۔" اس نے ٹی وی آف کر دیا۔

"کیوں...؟" بڑی بھابی اس کے سامنے کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔ وہ دھیرے سے ہاتھ مسلنے لگا۔

"تم نے اسے لائسنس دیا ہے کہ جو منہ میں آئے بکے جاؤ یا پھر اس کی زبان اتنی لمبی ہے کہ تم ڈر جاتے ہو۔"

"پلیز بھابی..." عباد بے بسی سے بولا۔

"کیوں، اس نے فاروق اور نائلہ کے متعلق ایسا کہا۔ جب کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور اگر تم نے نہیں پوچھا تو میں خود جا کر بات کروں گی۔ نائلہ نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا ہے۔ انسان کو اگر بولنا نہیں آتا تو خاموش رہے، منہ پھاڑ کر نہ بولے۔" بڑی بھابی کو غصہ آ رہا تھا۔

"کیا ضرورت تھی اسے میری بھابی سے یہ کہنے کی کہ نائلہ تو بس اس آنے جانے میں خوش رہتی ہے۔ ہر بار نیا لڑکا اسے چھوڑتا ہے۔ شادی نہ ہونے کا خوب فائدہ اٹھاتی ہے۔"

"بھابی پلیز..." عباد نے معذرت طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں نے اسے سمجھایا ہے آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔"

"شکایت تو مجھے جب ہوگی جب میں اس سے ملوں گی، بات کروں گی، میں اسے ایسا سیدھا کروں گی کہ یاد رکھے گی۔" بڑی بھابی بولیں تو عباد نے سر جھکا لیا۔

"شکل کے چارم میں مبتلا ہو کر تم نے اپنی زندگی خراب کر لی۔ اس عورت میں گھریلو سکھ دینے والی صلاحیت ہی نہیں ہے کیا تھا اگر تم فاریہ سے شادی کر لیتے، آج بھی تمہاری یاد میں وہ روتی ہے۔" مسلسل بولتے ہوئے انہوں نے سر جھکائے بیٹھے عباد کی خاموشی کو نوٹ کیا۔ وہ اب ریموٹ سے کھیل رہا تھا۔

"بھابی، میری طرف سے نائلہ سے معذرت کر لیجیے گا فاروق سے بھی۔"

"عباد......" بڑی بھابی نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"کس، کس سے معذرت کرو گے اور کرواؤ گے۔"

"پھر اور کیا کروں...... وہ اب گھر نہیں آئے گی۔"

بڑی بھابی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ گویا ابھی فاریہ کے لیے راہیں ہموار ہیں۔

"اچھا کرو گے جو اسے نکال باہر کرو گے کسی چیز کا سلیقہ نہیں ہے۔ کب کہاں کیا بولنا ہے، ادب لحاظ نہیں، تف ہے ایسی عورتوں پر۔ اچھا ہے خس کم جہاں پاک۔ میں خود کرواؤں گی تمہاری شادی اپنی پسند کا انجام تو دیکھ لیا ہے نا۔ اب ہماری پسند اپنا کر بھی دیکھ لو۔" وہ اپنے نمبر بڑھوا رہی تھیں۔

شاندار پرسنالٹی، شاندار جاب، وجیہہ عباد کو وہ اپنا

بہنوئی بنانا چاہتی تھیں مگر وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی تھیں۔ شایان جانے کہاں اسے جونک بن کر چمٹ گئی تھی جو جان نہیں چھوڑ رہی تھی۔ لیکن اب جان چھوٹ جائے گی۔ ان کی آنکھیں بلی کی طرح چمکنے لگیں۔ فخر سے عباد کی جانب دیکھا۔ وہ فون کی بیل سن کر اٹھ گیا تھا۔

"تینوں بہنویوں کے ساتھ کھڑا کتنا جچے گا۔ کچھ یہ خود بھی شرمندہ ہے اپنے کیے پر۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اب ہمارے کہے پر چلے گا اور...... اور میں سا سوچی سے کہتی ہوں کہ لوہا گرم ہے چوٹ لگائیے اور برخوردار کے لیے اپنی پسند سے بہو لے آئیے۔ اپنی پسند کی بہو۔ فاریہ یا سحر۔" ان کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ فون سن کر عباد عجلت بھرے انداز میں باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"ہے کہاں عباد کی دلہن؟" پھپھو مریم تن فن کرتی گھر میں داخل ہوئیں۔

"کیا ہوا پھپھو اتنے غصے میں کیوں ہیں؟" سامنے ہی ندا کھڑی تھی۔

"کیا ہوا آپا......" باہر نکلتیں زبیدہ بیگم بھی ٹھٹک کر رکیں، ان کا لال بھبھوکا چہرہ ان کی چھٹی حس کو خبردار کر رہا تھا۔

"زبیدہ تمہاری یہ بہو میرے کن گناہوں کا خمیازہ ہے۔" وہ دھم سے لان میں رکھی چیئر پر بیٹھیں، پھسلتا ہوا چشمہ ٹھیک کیا۔

"آپا ہوا کیا......؟ سب خیریت ہے نا۔" زبیدہ بیگم ان کے سامنے بیٹھیں اور ندا دلچسپی کے خیال سے آگے آ گئی۔ شایان سے متعلق کوئی خبر ہے۔

"بات اس کے سامنے ہو جائے تو ٹھیک ہے اس سے کیا بعید کہ مکر جائے یا پھر مجھے جھوٹا کہہ دے۔" مریم بولیں۔

"مگر پھپھو شایان تو میکے گئی ہے۔" ندا نے اطلاع دی۔

"ارے ایسی چھوکریوں کو تو ہمیشہ کے لیے گھر بدر کر دو۔ تمہارا حوصلہ ہے اور آفرین بھی تم پر ہے۔ میری ہوتی ایسا بدتمیز، گستاخ اور کینہ پرور اور منافق بہو تو دس جوتے یہاں مارتی اور پچاس جوتے اس کے ماں باپ کے سامنے کہ کیا سکھا پڑھا کر لڑکی کو بھیجا ہے۔" زبیدہ بیگم نے ندا کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔

"آرام سے آپا، مت کریں غصہ، آرام سے بتائیں کہ ہوا کیا ہے؟"

"ارے کن گنوں کی ہے تمہاری بہو، سنو گی تو ہاتھ لگاؤ گی کانوں کو۔ میری بہو کو میرے خلاف کر رہی ہے، کہتی ہے الگ گھر لے لو۔ اپنی سلطنت قائم کرو اور تو اور میرے داماد کو کہتی ہے کہ بیٹی کا حصہ داماد کا ہی ہوتا ہے آپ کو نوکری نہیں ملتی تو انکل سے کہیں اتنی بڑی فرم ہے اور بیٹی بھوکی مر رہی ہے۔" زبیدہ بیگم چپ بیٹھی منہ سے کف اڑاتی آگ بگولہ سی نند کو دیکھتی رہ گئیں۔

"ہماری گھر میں تو پھوٹ پڑ گئی ہے کہ حصہ دو۔ وہ ہوتی کون ہے خاندان کے معاملات میں بولنے والی...... دامادوں کی زبانیں رکتی ہیں کیا۔"

"پھپھو پانی۔" ندا پانی لائی تو پیچھے راحمہ بھی تھی، بڑی بھابی سارا منظر نامہ اوپر سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے غٹ غٹ کر کے پانی ایک سانس میں پی لیا۔

"یہاں بھی یہی حال ہے پھپھو، امی کی چپ اور عباد کی شہ وہ بہت پر پرزے نکال رہی ہے۔ خاندان میں اس نے نائلہ کا اسکینڈل بنا ڈالا فاروق کے ساتھ۔ بڑی بھابی تو سخت غصے میں ہیں۔" راحمہ کی اطلاع پر مریم بیگم نے تاسف وملال سے بھاوج کو دیکھا۔

"تو تم بھی اس کے دام حسن میں گرفتار ہو گئیں؟"

"لاحول ولاقوۃ......" زبیدہ بیگم نے سر جھٹکا۔

"ارے بگڑی ہوئی رئیس زادی ہوگی اپنے گھر کی، کرو میرے حوالے کر دوں گی سیدھا۔ اور یہ عباد کہاں ہے، میں لوں اس کی خبر۔ بیوی کو پٹا ڈال کر رکھے، میں تو اس کے باپ کے گھر جاؤں گی، جانے کون سے تیر چلانے وہ میکے گئی ہے جو تیر یہاں چلا کر تلواریں لڑوا دی ہیں پہلے اس کا تو حساب دے۔ توبہ...... توبہ ایسی بدلحاظ اور بدفطرت پورے خاندان میں تھوتھو ہو رہی ہے۔ ایسی ہے عباد کی دلہن......

"رضیہ کا جمال کہہ رہا ہے میرے لیے شایان جیسی دلہن ڈھونڈو ...... ہونہہ!! دیدوں میں حیا نہ پاکیزگی۔ شتر بے مہار بنا رکھا ہے۔" وہ نان اسٹاپ بولے جا رہی تھیں اور بولتی ہی رہتیں۔ جب تک ان کا غصہ، عناد، تنفر نکل نہیں جاتا اور یہ شایان کی کلاس لے کر نکلنا تھا، اس کی کلاس کیسے لیتیں وہ تو باپ کے گھر بھاگ لی تھی۔ راحمہ اور ندا ایک دوسرے کو ذو معنی انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

"اب آیا صحیح معنوں میں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔"

☆☆☆

سارہ نے سوپ پلانے کے بعد اس کا سر نیچے کیا، رومال سے منہ صاف کیا، چہرے پر بے انتہا نقاہت تھی۔ محبت سے اس کا رخسار تھپکا۔

"بس تھوڑے دنوں میں تم ٹھیک ہو جاؤ گی بلکہ ٹھیک ہو۔ بس کمزوری ہے ختم ہو جائے گی۔"

"آنی" اس کی سیاہ گھنیری پلکیں رخساروں پر لرز رہی تھیں اور صبیح رخساروں کی زردی نمایاں ہو رہی تھی۔

"جی بیٹا۔" پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کے چہرے سے بال پیچھے کرتے توجہ سے دیکھا۔

"عباد۔عباد نہیں آئے؟"

"شایان!" ان کا ہاتھ لرز گیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہیں شدید نروس ڈاؤن تھا اب تک کوئی ٹینشن مت لو۔ چند دن بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"لعنت ہے میری زندگی پر۔" اس کے گرد ایک ہی جملے کی گونج تھی۔

"آنی" دھیرے سے آنکھیں بند کیں "انہیں بتایا ہے کہ میں ......" سارہ نے ملال سے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا نا تم فکر مت کرو، وہ آئے گا ضرور آئے گا۔ کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے، میں نے فون کیا تھا۔" آنٹی سارہ نے کہا۔

"فون......" اس نے بے بسی سے کہا۔ لفظوں کے تازیانے اس پر کوڑے برسانے لگے۔

"پپا کدھر ہیں......؟"

"وہ......" انہوں نے نگاہ چراتے ہوئے اس پر کمبل ٹھیک کیا۔ "وہ تو بزنس ٹور سے واپس ہی نہیں لوٹے، نہ ہی فون آیا اور تم اب سو جاؤ زیادہ بولنے سے زیادہ تھکن ہو گی اور تم جانتی ہو کہ......" دھیرے سے ہاتھ دبا کر سونے کی تلقین کرتی وہ پیالہ اٹھا کر اس کے مزید ممکنہ سوالوں سے بچنے کے لیے باہر نکل گئیں۔

"عباد۔" اس کا دل سسکا۔ "عباد...... عباد!" آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔ "مجھے معاف کر دو۔" بند آنکھوں کے پیچھے اس ستم گر کا سراپا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ بندھے تھے۔ اشک بے اختیار ہو رہے تھے۔

"میں بدفطرت نہیں، میں منافق نہیں، میں...... میں بری عورت نہیں۔ بس ایک بار...... بس ایک بار" کشن منہ پر رکھے وہ سسک اٹھی۔

☆☆☆

شدید بے چینی نے اس کا احاطہ کر رکھا تھا بے اختیار سامنے رکھی منرل واٹر کی بوتل منہ سے لگالی۔ سینے کو مسلا پھر اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ بے چینی مسلسل تھی۔ گھر فون کیا۔

"امی آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں بیٹا...... کیا ہوا؟"

"ابو...... ابو کہاں ہیں؟"

"باہر گئے ہیں۔" امی نے جواب دیا۔

"او کے۔" عباد نے فون رکھ دیا۔ ایک بار پھر پلٹ کر بوتل اٹھا کر پانی پیا۔ ایک چبھن، ایک کسک، بے چینی کو کرید رہی تھی۔

"نہیں...... نہیں۔" ذہن میں آنے والے خیال کو جھٹکا۔

"اس سے مجھے کیا لینا اب۔" سر جھٹکا۔ اس کے اندر کوئی سر اٹھانے لگا۔

"راستے بدل لو گے...... ہاں"

"راستہ بدل سکتے ہو...... ہاں...... ہاں...... ہاں!"

"محبت سے منکر......"

"محبت......!" وہ کرسی پر گر گیا۔ "محبت اب رہی

ہی کہاں تھی۔'' عباد رنجور ہوا۔ ''محبت تو کب کی رختِ سفر باندھ چکی ہے۔'' رنجیدگی کی زرد ہوا اس کے وجود کو چھونے لگی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ ''کیا محبت بھی راہِ فرار اختیار کرسکتی ہے؟'' بے چینی و بے تابی اس کے اندر ہلکورے لینے لگی۔

☆☆☆

پچھلے ہونے والے اٹیک نے اسے بے حد کمزور کردیا تھا۔ چہرے کے سپید رنگ میں زردیاں گھل گئی تھیں۔ اس کی ساری مصروفیات ختم ہو گئیں۔ صرف گھر کی ہو کر رہ گئی۔ ملکہ سوات گئی ہوئی تھی۔ غزل اور نگار بھائی کی شادی کی وجہ سے مصروف تھیں مگر اس کے ساتھ جو ہوا وہ اچھا نہیں تھا۔ اس کی بیماری کے دنوں میں صرف فون آئے۔

آنٹی سارہ جنہیں شایان آنی کہتی تھی جو اس کی ماں کے انتقال کے بعد سے اس کے ساتھ تھیں، اوائل بچپن سے انہیں اپنے ساتھ دیکھ رہی تھی، پپا نے انہیں ہمیشہ کے لیے گھر میں رکھ لیا تھا۔

خود پپا بزنس کے سلسلے میں ملک ملک گھومتے رہتے تھے۔ انہوں نے دوسری شادی کی تھی مگر دوسری بیوی لندن میں ہی رہتی تھیں ان سے بچے بھی تھے۔ ان سے تعلق صرف ضروریاتِ زندگی تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

''ہاں شینی کتنے پیسے چاہیے بیٹا؟''
''کہاں جانا ہے......؟''

محبت جو باپ کا خاصہ ہوتی ہے اس سے وہ محروم رہی۔ ماں کی دو بہنیں تھیں، دونوں ہی امریکا میں ہوتی تھیں۔ فیروزہ نے اپنے بیٹے کے لیے اس کا رشتہ مانگا تھا مگر اسرار ملک نے انکار کردیا۔ وہ بھی کبھی کے تعلق سے بجھ گئی۔ ددھیال کے رشتے داروں میں صرف ایک پھوپی تھیں۔ اسرار ملک نے ان کے بیٹے کو اپنی فرم میں جاب دی، مراعات دیں مگر رشتہ انہیں بھی نہیں دیا۔

باپ کی محبت اور عدم توجہی کا شکار شایان ملک خود سائی کے شوق میں مبتلا تھی اس لیے وہ ہر اچھے اور برے ل سے گزر جاتی تھی، اس کی تربیت میں جھول تھا۔

اس کی سرپرستی کسی بردبار، سمجھدار رشتے نے نہیں کی۔ سارہ آنٹی تھیں جو گھر کے ساتھ اس کے کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے کا خیال رکھتی تھیں۔ ماں کی باریک نگاہ سے وہ بھی اسے نہ دیکھ سکیں لہٰذا ماڈرن ازم کا شکار شایان ملک کی شخصیت اس بہتے پانی ایسی تھی جو آڑے ترچھے راستوں سے گزرتا خود ہی جگہ بناتا چلا جاتا ہے۔ ڈش، کیبل اور فون نے سونے پر سہاگا کیا تھا اس کی اخلاقیات کو بگاڑنے میں ایک وجہ اس کے دوست بھی تھے جو مارِ آستین بنے اسی کی طرح رنگین مزاج تھے۔

عباد الرحمٰن کو اس سے محبت اس کی بے تحاشا خوبصورتی، بے ساختگی کی وجہ سے ہوئی۔ پہلی نگاہ نے ہی اس کے ہوش و حواس گم کردیے تھے اور اس نے اپنی ماں کی ناپسندیدگی، بھابیوں کی ناراضی اور ابو کی عدم دلچسپی کے باوجود اس سے شادی کی۔ اس کی چند ماہ کی محبت جیت گئی۔ عباد اسے اپنے نام کی مالا پہنا کر گھر لے آیا۔ وہ جو کہتے ہیں نا دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں ان کی موسیقی، ردھم اور سُر دور سے ہی اچھے لگتے ہیں، قریب آ کر سُر بکھیریں تو کان پھٹنے لگتے ہیں۔

شایان کی شخصیت میں بے تحاشا الجھنیں تھیں، اس کی شخصیت کی تعمیر خام مال ایسی تھی۔ ایک گھریلو لڑکی ایسی تربیت اس کی نہیں تھی۔ بے انتہا نازک مزاج، گھریلو امور سے ناواقف، ضابطوں اور رابطوں سے بے پروا، من موجی اور اپنی مرضی کرنے والی۔ اس کے گھر کا ماحول ایسا ہی تھا۔ ہل کر پانی نہیں پیا تھا۔ جی حضوری کرنے والے ملازم، شاہ خرچیاں، پکنک پارٹیاں، دوستیاں شخصیت کے وصف تو باہمی ربط اور قربت سے کھلتے ہیں۔ عباد الرحمٰن کے گھر کا ماحول بالکل مختلف تھا آپس کے رشتوں میں بے ساختگی، محبت، یگانگت، ہمدردی، رکھ رکھاؤ اور خیال دھیان رکھنے کی کیفیت، عباد کی والدہ زبیدہ رحمٰن جہاں دیدہ، سگھڑ، سلیقہ مند، محبت کرنے والی، امن پسند تھیں اور اپنی بہوؤں کا انتخاب انہوں نے بہت دیکھ بھال کر کیا تھا۔ ان کے گھر کی فضا محبت کی خوشبوؤں سے مہکتی تھی اور باہمی ربط سے گندھی ہوئی تھی۔

بڑی بہو رعنا ان کی دیرینہ دوست کی بیٹی تھی۔ پڑھی لکھی، سوجھ بوجھ رکھنے والی، اعلیٰ اخلاق و اوصاف کی مالک رعنا اویس ان کی تمام تر توقعات پر پوری اتریں۔ راحمہ اور ندا خاندان کی تھیں ان کے گھر کے ماحول میں رچ بس گئیں۔ اختلافات کی گنجائش ہی نہیں نکلی۔ اختلاف رائے کو باہمی دلچسپی سے سنا جاتا۔ دلوں میں باہمی محبت اور یگانگت نہ ہو یا حقوق و فرائض میں کہیں کمی ہو تو دلی عناد اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ فطری امر ہے اور زبیدہ رحمن انصاف پسند خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی تو انہیں حق بھی بہت اچھا ملا۔ تمیز دار، با اخلاق اور فرمانبردار بہوئیں۔ بلاشبہ انہوں نے اپنی بہوؤں کو کبھی بہو سمجھا ہی نہیں، تینوں نے ان کی بیٹی کی جگہ لی تھی اور بیٹی بن کر دکھایا۔ پورے خاندان میں ان کے گھر کی مثال دی جاتی تھی۔ عباد کے لیے انہوں نے دیکھ بھال کر لڑکی دیکھی تھیں ان کا ارادہ چھوٹی نند کی مدحت کو لانے کا تھا۔ رعنا نے اپنی بہن فاریہ اور ... سحر کے مطابق سوچ رکھا تھا۔ جو لڑکی اس گھر میں آتی راج کرتی مگر عباد نے سب کی خوشیوں پر پانی پھیر دیا۔ شایان کا عشق سر چڑھ کر بولا تھا۔

زبیدہ رحمن کو پہلی نگاہ میں شایان اچھی نہیں لگی۔ بے باک، ماڈرن اور آزاد خیال۔ انہوں نے انکار کیا تھا اور عباد نے شایان کے لیے ماں سے ڈوئل لڑ لیا، عشق کا سورج سر چڑھے تو ایسے ہی خوار اور رسوا کرواتا ہے۔ وحید الرحمن کا ووٹ بیٹے کی طرف تھا اس رشتے کو قسمت سے ہونا تھا یہ رشتہ ہو کر رہا۔ دلوں میں ناپسندیدگی کے باوجود سب نے اس گھر کی آخری شادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سب سے زیادہ دکھ رعنا اویس کو تھا۔ ان کی توقعات وابستہ تھیں۔ امید ہی نہیں تھی کہ عباد من مرضی کر سکتا ہے۔ قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔ شایان ایک مختلف المزاج لڑکی تھی۔ سسرال والوں کی ناز برداریاں، عباد کی محبت اور سب کی توجہ نے شایان کے غرور کو اور سر چڑھا دیا۔

اپنی مرضی سے جینے والے لوگ کم ہی ہم ربط ہوتے ہیں۔ وہ سب کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں اور رشتوں میں دراڑیں اسی لیے پڑتی ہیں۔ خیال و دھیان کی کیفیت اور باہمی رضا و رغبت گھر کی فضا کو ہموار اور پرسکون رکھتی ہے۔ جبکہ شایان، تمام اخلاقی اوصاف، رکھ رکھاؤ، خیال و دھیان، سلیقہ اور محبت و یگانگت کو برقرار رکھنے والے تمام اوصاف سے بے بہرہ تھی۔ زبیدہ بیگم کا ماتھا اس وقت ٹھنکا جب پوتے کے عقیقے کے وقت بھری محفل میں شایان نے ندا بھابی کا مذاق اڑایا اور ان پر چوٹ کی۔ ان کی بڑی نند آپا جان کے چھوٹے بیٹے علی اور دیور کے بیٹے جمال کے ساتھ اس نے ان کے لطیفوں پر بلند قہقہے لگائے۔ ان کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے وہ بہت انجوائے کر رہی تھی اور زبیدہ بیگم ہکا بکا، ان کا ماحول یہ کب تھا۔ ان کی تینوں بہوئیں اخلاق کے دائرے میں رہ کر رشتوں کے دیوروں سے بات کرتی تھیں کجا بلند قہقہے، ندا کے ساتھ ان کا بھی دل برا ہو گیا تھا مگر انہوں نے صبر کا گھونٹ پیا۔ گھر کی فضا کو کسی رنجش کا شکار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ شائستگی تو ان کا وصف تھا اور پھر آئندہ آنے والے دنوں میں نوٹ کیا۔ شایان نہایت اکھڑ مزاج، بد مزاج، من موجی، گھریلو امور سے عدم دلچسپی رکھنے والی ایک خود پرست اور خود پسند لڑکی تھی۔ تمام تر اخلاقی امور سے بے بہرہ وہ انتہا کی دوغلی، جھوٹی، کینہ پرور اور حاسد تھی۔ غرور و تکبر رکھنے والی بدزبان، جھگڑالو اور غیبت کرنے والی، عاقبت نااندیش لڑکی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ خود کو سب سے برتر اور بہتر سمجھتی تھی۔ چھوٹی عمر میں سب کچھ دیکھ لیا تھا، فخر و غرور لازمی تھا مگر زبیدہ بیگم اس معاملے میں کسی کو خاطر میں لانے والی نہیں تھیں۔ انہوں نے عباد کو بلا کر صاف کہہ دیا۔

''عباد اپنی پسند کو تم لے تو آئے ہو اب تم اسے اس گھر کا معیار بناؤ۔ اس گھر کے طور طریقے اور رسم و رواج سکھاؤ۔ اس کا اثر دوسروں پر پڑنے سے پہلے اسے آگہی دو، گھر کے ماحول سے تم واقف ہو۔''

''امی......'' عباد انہیں دیکھتا رہ گیا۔ ''اگر میں نے اپنی پسند سے شادی کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ

''ہوں''

''مجھے آئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں، تمہیں خبر ہے۔''

''اچھا'' حیرت سے اسے دیکھا۔ ''میں ذرا مصروف تھی۔''

''ایسی کون سی مصروفیت ہے تمہاری جو تمہیں میری آمد سے بے خبر رکھتی ہے؟''

''یہ آج آپ کو کیا ہوا ہے، کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' شایان نے اچنبھے کے سے انداز میں دیکھا۔

''تم گھر والوں کے درمیان کیوں نہیں بیٹھتی ہو۔ ان کے ساتھ رہا کرو، کام دام کیا کرو، دن اچھی طرح سے گزر جاتا ہے۔'' اس نے غصے کو دبا کر سرسری سے لہجے میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''امی بھی تمہاری شکایت کر رہی تھیں۔''

''کیسی شکایت......؟'' شایان چونکی

''شایان تم بچی نہیں ہو، سمجھدار ہو اور اس گھر کے طور طریقوں سے واقف ہو، تمہیں گھریلو امور کی انجام دہی میں بھابیوں کا ساتھ دینا چاہیے، ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ان کے پاس بیٹھا کرو، تم الگ تھلگ ہو کر کیوں بیٹھتی ہو۔'' اس نے حتی الوسع اپنے لہجے کو تحمل کے دائرے میں رکھا۔

''یعنی آج میرے خلاف خوب کان بھرے گئے ہیں۔'' شایان نے تڑخ کر کہا۔

''تمہارے خلاف کسی نے کان نہیں بھرے، وہ ٹھیک کہتی ہیں تمہیں اب اس گھر کے رسم و رواج، ماحول اور طور طریقوں میں ڈھل جانا چاہیے۔ تم اس گھر کی آخری بہو ہو اور تمہیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ تم میری پسند ہو۔ امی کو بمشکل تمہارے لیے راضی کیا تھا اور تمہیں ن کی امیدوں پر پورا اترنا چاہیے۔'' عباد نے سنجیدگی سے کہا۔

''یعنی......!'' غصے سے اس کا چہرہ انگارہ ہونے ۔ الجھے ہوئے انداز میں عباد کو دیکھا۔ ''میں نوکرانی، م زادی، ماسی بن جاؤں، گھر کے کاموں میں خود کو الوں تو یہ آپ کی بھول ہے عباد صاحب، میں نے گھر میں بھی کبھی ہل کر پانی نہیں پیا، نوکروں کے درمیان رہی ہوں مجھ سے کام دام کی توقع مت کریں۔'' شایان نے صفا چٹ جواب دے کر اسے ششدر کر دیا۔ ''اور نہ ہی مجھے کام شام آتے ہیں۔'' اٹھ کر اس نے تمام میگزین سائیڈ ٹیبل پر پٹخے۔ ''نوکروں کی فوج موج کرنے کے لیے ہے کیا، کس بات کی تنخواہ لیتے ہیں۔''

''نوکروں سے بھی کام کروایا جاتا ہے کھڑے ہو کر۔ گھر ہے یہ تمہارا سمجھیں تم...'' عباد اپنے اشتعال کو ممکنہ حد تک کنٹرول میں رکھ رہا تھا۔ ''اور بھابیوں سے تمہارا رویہ......؟''

''اوہ تو ساری شکایتیں آج ہی لگا دیں امی حضور نے؟'' شایان نے طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی۔

''بہت اچھی ہیں وہ۔'' عباد نے گھورا۔

''جب میں کسی کی پسند نہیں تو میں اچھی کیوں بنوں۔ سسرال والوں کو زیادہ منہ لگا لو تو منہ کو آتے ہیں میں دور دور ہی بھلی۔'' شایان نے بدتمیزی سے کہا عباد اسے دیکھتا رہ گیا۔ ''آپ کی والدہ محترمہ انتہائی بے انصاف اور خود غرض خاتون ہیں۔''

''شینی، مت بھولو کہ وہ میری ماں ہیں۔'' عباد نے مشتعل ہو کر اسے دیکھا۔

''ہاں!'' شایان نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ ''میں نہیں بھول سکتی کہ وہ آپ کی والدہ محترمہ ہیں جنہیں میں پسند نہیں اور جو میرے خلاف محاذ بنائے بیٹھی ہیں۔ اپنا غصہ انہوں نے اسی طرح سے تو نکالنا ہے۔ اور رہی آپ کی بھابیاں، انہیں ہنسنے اور مذاق اڑانے کے سوا کچھ آتا ہے کیا، ہونہہ خاندانی بہویں۔''

''تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ شینی خود کو اس گھر اس ماحول میں ڈھالنے کی کوشش کرو اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''عباد میں جیسی تھی بس ویسی ہی رہوں گی۔ آپ کو اپنی والدہ کے کہنے پر مجھ میں کیڑے نظر آ رہے ہیں۔'' اس نے بدتمیزی سے رسالہ اچھال دیا۔ عباد حیران تھا یہ وہ شایان تو نہیں جو شائستہ مزاج کی خوبصورت لڑکی تھی اس کا پیرہن ایک دم سے کیسے تبدیل ہو گیا۔ شاید وہ بھی

ان تک پہنچ ہی نہیں پاتا جنہوں نے اس کا پیرہن بدلنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ گزرتے وقت نے بہت سارے راز اس پر آشکار کیے تھے۔

☆☆☆

''تم...... تم...... نواد سے ملتی ہو کلب میں؟'' عباد شاک کی سی کیفیت میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''میرا دوست ہے عباد' کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کیا میں پرانے دوستوں کو چھوڑ دوں۔ پرانے رشتے ختم کر دوں؟''

''وہ انتہائی اوباش، فلرٹ، شرابی اور تم۔ اس کے ساتھ ڈرائیونگ پر گئی تھیں۔'' عباد سخت غصے میں تھا۔

''تو نگار میرے ساتھ تھی، اس کا کزن ہے وہ۔'' شایان بے فکری سے بولی۔

''بھاڑ میں گئی نگار، تم آئندہ اس سے نہیں ملو گی، سمجھیں تم!''

''نہیں۔'' شایان نے اس کے غصیلے انداز پر چیخ کر کہا۔ ''میں نہیں سمجھوں گی، آپ اتنے بیک ورڈ کب سے ہو گئے۔ میں ایسی ہی تھی اور ایسی ہی رہوں گی۔''

''تم اس طرح سے رہو گی جیسا میں چاہوں گا۔ میرے گھر میں یہ آزادی اور بے راہ روی نہیں چلے گی خود کو بدلو اور آئندہ تم کلب نہیں جاؤ گی۔''

''آپ مجھے نہیں روک سکتے، میری یہی ایکٹویٹیز ہیں۔''

''تمہیں اس گھر میں دل لگانا چاہیے شایان۔'' عباد نے تاسف، دکھ، ملال بھری نگاہ اپنی نظرِ انتخاب پر ڈالی۔ واقعی وہ محبت میں دھوکا کھا گیا تھا۔ چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں اسے تارے دکھا رہی تھیں۔

''اگر آپ کو گھریلو عورت کی ضرورت تھی تو کیوں مجھے قید کیا۔ آپ کو اندازہ نہیں تھا کہ میں کیا ہوں۔''

''تم جو کچھ بھی تھیں پہلے تھیں۔ اب تم کیا ہو، کس ماحول میں رہتی ہو، اس ماحول کی کیا احتیاجات ہیں تمہیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔ اگر یہاں رہنا چاہتی ہو تو......''

''مجھے دھمکی دے رہے ہیں آپ، میں بری لڑکی ہوں۔'' وہ زور سے چیخی۔

''آہستہ بات کرو بدزبان لڑکی......!''

''اب میری زبان نہیں رکے گی، میں بدزبان ہوں تو ہوں۔ یہ ماحول ہے آپ کے خاندان کا۔ وہ نائلہ صاحبہ روز آفاق صاحب کے ساتھ بہن سے ملنے آ جاتی ہیں۔ لڑکوں کو پھنساتی ہیں یونیورسٹی جا کر دیکھیں کبھی۔ اس گھر کا ماحول بے باک نہیں۔ اس گھر کی عورتیں، اپنے کزنز، اپنے رشتے داروں سے نہیں ملتیں کیا۔ آج آپ کو میرے اندر خامیاں نظر آ رہی ہیں۔'' وہ کھول گئی۔

''جو میری شکایت ہے، اس گھر کو تم سے ہے اسے دور کرو۔ اور آرام سے رہو...... یہاں ورنہ......!''

''ورنہ......!'' شایان اسی انداز میں مخاطب تھی۔

''ورنہ نتائج کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔''

''میں......!'' اس سینہ زوری پر عباد حیران ہوا۔

''میں کوئی کمزور نہیں ہوں میرے پاپا......'' شایان بولی۔

''کاش تمہاری ماما بھی ہوتیں۔'' عباد نے سر جھٹک کر اسے دیکھا اور باہر نکل گیا۔

''ہونہہ! میں بری ہوں تو برا بن کر دکھاؤں گی۔'' شایان نے زور سے پاؤں پٹخا اور فون کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

''تمہیں کیا ضرورت تھی جمال سے اتنا فری ہونے کی۔'' دو دن بعد پھر سے پیچ و تاب کھا کر کھولتا ہوا عباد اس کے سر پر کھڑا تھا۔

''وہ آپ کے گھر کا حصہ، خاندان کا فرد ہے۔ سب کے ساتھ اگر میں نے اس سے گفتگو کر لی تو کیا ہوا۔ آپ بھی تو ادھر ہی تھے۔''

''شایان!'' عباد نے لب بھینچ کر اسے گھورا۔ ''اتنی آزادی۔ بے باکی مجھے پسند نہیں۔ گفتگو کے کچھ آداب اور لحاظ ہوتے ہیں۔ تم کوئی بچی نہیں ہو۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر گفتگو کرنا۔ قہقہے لگانا، راز و نیاز...... یہ کیا طریقہ ہے؟ تمہیں کون کون سی بات سمجھانی پڑے گی۔'' عباد زچ

ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔
"تم جانتی ہو میرا فیصلہ کس طرح قبول کیا گیا، میں امی سے پہلے ہی شرمندہ ہوں۔ بجائے اس کے تم اپنی ویلیو بڑھاؤ، خدمت سے، شائستگی سے، رویے سے، تم انہیں اور زود رنج کر رہی ہو۔"
"عباد...! وہ تڑخ گئی۔ "آپ بہت بدل گئے ہیں آپ کو میری ہر بات میں کیڑے نظر آتے ہیں مجھ سے یوں بات کرتے ہیں گویا میں بہت بری ہوں اگر میں بری ہوں تو کیوں مجھے قید کر رکھا ہے چھوڑ دیں۔"
"قید.....!" عباد ہکا بکا رہ گیا۔ "تم اس گھر میں قید ہو؟"
"ہاں.....!" شایان بے خوف لہجے میں بولی۔
"بکواس بند کرو۔" عباد کے دل کو کچھ ہوا۔ "اپنی تمام دوستوں سے ملنا بند کرو، امی کے پاس بیٹھا کرو انہیں ٹائم دو۔ کچن میں وقت گزارو۔ اب تمہاری یہ مصروفیات ہونی چاہییں۔"
"میں زر خرید نوکرانی نہیں ہوں، مجھے کام آتے ہیں اور نہ میں کروں گی۔" شایان نے ٹکا سا جواب دے کر چادر میں منہ چھپالیا۔ عباد گہرا سانس لے کر رہ گیا۔
"یہ لڑکی..... یہ عورت' اس کی بیوی۔ اس کی پسند..... اس کی محبت۔" اس نے دونوں ہاتھوں پر سر گرالیا۔ کیا اس کی محبت شایان کے دل سے ختم ہوگئی ہے۔ اتنی جلدی..... چند ماہ میں۔
"کیا محبت کے رنگ اتنے کچے ہوتے ہیں۔" ہاتھ چہرے سے اٹھا کر اسے دیکھا۔ "واقعی یہ لڑکی ماڈرن ازم کا شکار ہو کر ترقی یافتہ افراد کی صف میں شامل حقوق سے بے پرواہ ہے۔ اس کی مسلسل نفی کر رہی ہے کیا چاہتی ہے یہ۔ امی کو اس سے مسلسل شکایات ہیں۔ بھابی بلکہ تینوں بھابیاں اس سے نالاں ہیں۔ گھر والوں کی اسے پروا نہیں۔ عباد۔ عباد الرحمن تم نے اس شکل میں کیا دیکھا۔ نہیں، تمہیں صرف شکل سے محبت ہوئی تھی اور محبت بھی صرف تمہیں ہوئی تھی۔ اسے....." اس کی آنکھوں میں دھواں بھرنے لگا۔
"اسے تو تم سے محبت ہے نہ دوستی۔ بس ساتھ رہ رہی ہے۔ اس کا لہجہ اس کا انداز، جوابدہی کا طریقہ۔" یک بیک وہ چونک گیا۔ "یہ کیا چھٹکارہ چاہتی ہے۔ ان کے درمیان محبت نہیں رہی اور کیا......" اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔
"ایسا ہوسکتا ہے؟" عباد یکدم سے بے چین ہوا اور باہر نکل گیا۔ "اگر ایسا ہوگیا تو...... تو کیا ہوگا۔ جگ ہنسائی، دانستہ رسوائی، بے عزتی، خاندان میں اس کا... انتخاب موضوعِ سخن بنے گا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔" ایک نئی فکر تفکر میں ڈوب کر اس کے ہمراہ تھی۔ "نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ میں اسے اب پیار سے سمجھاؤں گا۔ وہ کیا چاہتی ہے۔ کیوں اپنی زندگی کو گرہن لگا رہی ہے۔ کیوں محبت کو دل سے رخصت کرنا چاہتی ہے۔ اگر ایسا ہوگیا تو۔ تو محبت پر سے اس کا ایمان اٹھ جائے گا۔ محبت ابھی سلامت ہے اگر حالات یہی رہے تو محبت کو زنگ لگانے سے کون روک سکتا ہے۔" آج کل وہ بہت سنجیدہ ہو رہا تھا۔
اپنے گھر کا ماحول اسے بے حد پسند تھا۔ محبت کی خوشبو اور چاہت کی فضا در و دیوار پر چھائی ہوئی تھی، عشق پیچاں کے پھول پتے ہر سو بکھرے ہوئے تھے۔ خیال و دھیان رکھنے کی کیفیت ایک دوسرے کا احساس، ایک کی پریشانی پورے گھر کی پریشانی، کوئی گھریلو چپقلش، گھریلو سیاست، ساس بہو کی چیخ چیخ ایک دوسرے کی کاٹ اور پیٹھ پیچھے تنفر کے تیر برستے اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے نہ ہی اس نے کبھی گھر میں کام کے سلسلے میں چیخ و پکار دیکھی۔ ہمیشہ گھر میں پرامن مسکراہٹ دیکھی۔ امی کی شگفتہ ہنسی اور بھابیوں کی فرمانبرداری۔ اب وہ... یہی چاہتا تھا کہ اس کی بیوی اس ماحول کا حصہ بن جائے۔ بھابیوں کے ساتھ مل جل کر فضا کو مستحکم کرے۔ امی کی ہر دلعزیز بہو بن جائے امی کو "اس" کے نظرِ انتخاب پر فخر ہونے لگے۔
وہ جو امی کو ناراض کر کے اس کو بیاہ لایا تھا۔ باخدا اندر ہی اندر خفت و خجالت کا شکار تھا اور دل سے چاہتا تھا کہ اس کی بیوی اس خلش کو ختم کرے۔ مگر وہ دل کی خلش ہی نہیں بلکہ ذہنی خلجان کو بھی بڑھا رہی تھی۔ نہ

جانے وہ کیوں اتنی ضدی اور باغی ہو رہی تھی۔ کس بات کی کمی تھی۔ محبت، مان، اعتماد سب ہی کچھ اسے حاصل تھا مگر وہ مان و اعتبار کی دھجیاں اڑانے کے درپے تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ گھر کے کسی فرد سے مشورہ لینا اپنی عزت افزائی کروانے کے مترادف تھا۔ دوستوں سے وہ اتنا فری نہیں تھا۔ شایان کے میکے میں اس کی گورنس ہی تھی جو بچپن سے اس کے ساتھ تھی۔ اس سے کیا پوچھنا۔ اس کے والد محترم بزنس ٹور پر ہی رہتے تھے۔ اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا تھا۔

روز نیا مسئلہ...... روز نیا انداز۔ امی کی خاموشی اور چبھتی نظریں۔ بھابیوں کے طنزیہ انداز۔

''آج تمہاری بیگم نے تم سے اتنی لمبی گفتگو کی، دو گھنٹے...... بھئی کمال ہو گیا، کیا تمہیں گھر میں بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔'' بڑی بھابی کی آواز...... اس کا چونکنا۔

''مجھ سے......؟'' بے ساختہ ہی منہ سے نکلا۔

''اچھا، تم نہیں تھے تو پھر......'' کمال معصومیت سے اس پر گھڑوں پانی گرا دیا۔

''کمان کھینچ کر رکھو صاحبزادے ایسا نہ ہو کہ......'' رعنا بھابی سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھتی باہر نکل گئیں۔ وہ جھنجھلایا ہوا لاؤنج میں کھڑا تھا۔ اس کا فشارِ خون بڑھ رہا تھا کہ ندا بھابی اندر آ گئیں۔

''تم آ گئے۔ امی ابھی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ مل لینا ان سے۔'' اک کاٹ دار نگاہ اس پر ڈالتی باہر نکل گئیں۔ وہ صوفے پر گر گیا۔ ایک اور شرمندگی بلکہ در شرمندگی۔

''کیا واقعی شایان ناقص العقل ہے یا پھر کوئی اور بات ہے۔ وہ محبت کی زبان سمجھ رہی تھی اور نہ ہی اسے احساس کی شدت کا اندازہ تھا۔ واقعی محبت خود غرضی کے لبادے میں لپٹ رہی تھی۔ بادباں کے کھلنے کا اشارہ دیکھ رہی تھی یا پھر...... یا پھر......'' بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اک لمحہ کو سوچا۔ ''چپکے سے راہِ فرار اختیار کر لے۔ مگر کب تک......؟'' تھکا ہوا سانس لے کر اٹھا۔

''جی امی......'' عباد ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ تسبیح کے دانے گراتی ان کی انگلیاں تھم گئیں۔

''کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، اتنا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے۔ کھانا کھایا تھا دوپہر کو؟'' امی نے فکر سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کی آنکھ بھر آگئی۔ اتنی مخلص، پیاری، زیرک نگاہ سے اندر کا حال جان لینے والی ماں کو کتنا دکھ دیا تھا۔

''جی امی، آپ نے بلایا تھا۔'' جو کہنے کے لیے بلایا تھا انہوں نے وہ اندر ہی پی لیا۔ اپنے بچے کی پریشانی انہیں نظر آ رہی تھی۔ مزید پریشان کیا کرتیں۔

''مجھے تمہاری بڑی فکر رہتی ہے بیٹا، کھانے پینے کا دھیان رکھا کرو۔'' بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ایک گہری طمانیت اس کے وجود میں بکھرتی چلی گئی۔

''اتنا زیادہ کام مت کیا کرو۔''

''کام سے ہی تو زندگی ہے امی۔'' ان کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔ ''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

''آپ نے بلایا کیوں تھا؟'' وہ اندر ہی اندر بے چین تھا۔

''تم صبح مجھ سے ملے بغیر چلے گئے تھے نا؟'' انہوں نے اس کی بے چینی بھانپ لی۔

''اوہ'' عباد نے گہرا سانس لیا۔ ''آئی ایم سوری امی دراصل صبح دیر ہو گئی تھی اور میں جلدی میں تھا۔''

''ناشتا بھی نہیں کیا تھا حالانکہ ٹیبل پر ندا نے تیار کر دیا تھا۔'' وہ اندر تک شرمندہ ہونے لگا۔

''سوری امی، آئندہ احتیاط کروں گا۔''

''الارم لگا کر سویا کرو، جلدی سویا کرو۔ دیر تک کام مت کیا کرو۔ صحت ہے تو زندگی ہے، صحت برباد مت کرو۔'' وہ دھیرے دھیرے محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔ ان کی گفتگو میں شایان کی شکایات تھیں نہ شکوہ۔ ماں بیٹے کی خالص محبت کی گفتگو۔ عباد انہیں بے حد عزیز تھا۔ محبت کے منہ زور گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے اپنی زندگی کو گرہن لگا لیا تھا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ بتا رہا تھا ماں کی شکایات اور بیوی کی منہ زوری کو وہ دل پر سہہ رہا تھا۔ اپنی غلطی پر پشیمان تھا۔ بہت دیر تک وہ ان سے باتیں کرتا رہا پھر ابو

آ گئے۔

''ارے تم ادھر ہو۔ وہاں تمہارا فون آیا ہے میں سمجھا گھر میں نہیں ہو تم۔''

''کس کا فون تھا؟'' عباد نے اچنبھے کے انداز میں دیکھا۔

''شایان کا آپا کے گھر سے۔ کہہ رہی ہے کہ جاوید کی گاڑی خراب ہے، عباد سے کہیں کے مجھے آ کر لے جائیں یا میں ٹیکسی سے آ جاؤں۔'' وہ چونکا۔ اس کے کان ہی نہیں رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے۔

''شایان، مریم پھپھو کے گھر۔'' چہ معنی دارد...... امی کی جانب نگاہ کی۔ انہوں نے نگاہ چرالی۔

''وہ وہاں کیوں گئی ہے؟'' عباد نے دونوں کی جانب ایک ساتھ دیکھا۔

''سعدیہ سے اس کی دوستی ہے نا۔ فلک کی شادی کی وجہ سے بلوا لیتے ہیں۔'' امی تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔

''مجھے معلوم ہی نہیں۔'' بے ساختہ ہی منہ سے نکلا۔

''کب گئی تھی...؟'' عباد نے بے چینی سے پوچھا۔

''صبح سے۔'' اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

''اسے اکیلے جانے کیا ضرورت تھی۔ آپ ساتھ جاتیں یا کسی بھابی کے ساتھ چلی جاتی۔ آپ...... آپ نے......''

''بیٹا جی، گھوڑا منہ زور ہو تو اسے لگام ڈال لی جاتی ہے اور اگر وہ لگام ڈلوانے کے موڈ میں نہ ہو تو پھر کچھ عرصے کے لیے اسے ویسے ہی چھوڑ دینا چاہیے تاکہ شہ زوری ختم ہو جائے۔ تمہاری بیگم الگ ہی نیچر کی ہے۔ کچھ خودسر، باغی اور چرب زبان۔'' اس کا سر جھک گیا ابو کے ارشادات سن کر۔

''اس کے ساتھ کچھ نفسیاتی پرابلم ہے میرا خیال ہے کہ اسے کسی سائیکالوجسٹ کو دکھاؤ۔ ہر بات کی رٹ کرتی ہے گویا ہم سب اس کے دشمن ہیں۔ اس کا مسئلہ کیا ہے، کیا چاہتی ہے وہ۔'' رحمٰن صاحب نے بغور اسے دیکھا۔ ''الگ گھر...... الگ رہائش'' عباد نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''ابو آپ لوگوں کو چھوڑنے کا، اس گھر سے جانے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جس کو رہنا ہے یہیں رہے جانا ہے تو جائے۔'' وہ جھٹکے سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ زبیدہ بیگم تاسف، ملال، دکھ اور رنجیدگی سے اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

''کتنا کمزور اور رنجیدہ ہو گیا۔''

''محبت کا بخار جب اپنا زور توڑ دیتا ہے تو یونہی انسان ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ بچوں کو ان کی نافرمانی کی سزا ضرور ملنی چاہیے ایسے ہی عقل سیکھتے ہیں۔'' رحمٰن صاحب نے اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کرتے ہوئے متانت سے کہا۔

''آپ نے اسے بددعا دی ہے۔'' زبیدہ رحمٰن نے دہل کر انہیں دیکھا۔

''نہیں، دل تو دکھایا تھا نا؟'' دھیرے سے آنکھیں بند کر کے انگلیوں کی پوروں سے انہیں دبایا۔ رنجیدگی کے بادل اپنے پر پھیلا رہے تھے۔

''ایسی خوشی کا کیا فائدہ جو بیٹے کے لیے دکھ بن گئی۔ کتنا سنجیدہ ہو گیا ہے وہ۔ زندگی کا ساتھی اگر حساس، زودرنج اور سمجھ بوجھ والا نہ ہو تو زندگی ایک منجدھار میں رک جاتی ہے۔ اکیلا آدمی کب تک اکیلے چل سکتا ہے۔''

''مجھے تو وہ بہت غلط سمجھتی ہے۔ لیے دیے والا انداز ہوتا ہے۔ کوئی جٹھانی اسے منہ لگاتی ہے اور نہ وہ کسی کا دم بھرتی ہے۔ جانے کس نیچر کی ہے۔'' ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، چک چک گھر کا ماحول خراب کرے گی اور دوسری بہوؤں پر بھی غلط اثر پڑے گا۔'' رحمٰن صاحب نے انہیں دیکھا جو بیٹے کی محبت میں اس کی نافرمانی کے باوجود بہت رنجور ہو رہی تھیں۔

''اسلام آباد چلیں بھائی جان کے پاس۔'' ان کی دلجوئی کے احساس سے کہا۔

''یہاں کے مسئلے......''

''یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے جو ہے وہ خود ہی حل کر لیں گے تم پریشان مت ہوا کرو۔ جانتی ہو کہ تمہاری پریشانی مجھے کتنا ہرٹ کرتی ہے۔'' ہاتھ پھیلا کر محبت سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ گہری عمیق سوچ میں گم ''

دھیرے دھیرے تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

☆☆☆

”تم...... تم مجھے آفس فون کرسکتیں تھیں، مجھے انفارم کرسکتی تھیں مگر تمہیں کیا۔ تمہیں میری پرواہی کب ہے جو دل چاہتا ہے کرتی ہو اور تمہیں اکیلے پھپو کے گھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔“ عباد سخت مشتعل تھا۔ پھپو کے گھر سے فوراً اسے لے کر نکلا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی گیس کے غبارے کے مانند پھٹ پڑا۔

”ندا بھابی، راحمہ بھابی کو ساتھ لے لیتیں مگر تم۔“

”عباد اگر آپ کو مجھے لانے کے لیے کوئی اہم کام چھوڑ کر آنا پڑا تو نہ آتے میں بھی بھول جاتی ہوں کہ آپ مجھے اپنی ذمے داری نہیں سمجھتے۔“ جھانپڑ رسید کرنے والے انداز میں سر گھما کر اسے دیکھا۔ الٹی کھوپڑی۔ ”سعدیہ میری بہت اچھی دوست بن گئی ہے اس کی بہن کی شادی ہے وہ خود لینے آئی تھی۔ پھر وہاں انیلا آپی بھی آئی تھیں۔“ وضاحت کی۔

”تم...... تم!“ عباد نے کھا جانے والے انداز میں دیکھا۔

پھپو کے بڑے داماد سے وہ ابھی مل کر آرہا تھا۔ میلی گندی آنکھیں باریک بینی سے صنفِ مخالف کی جانب اٹھتی تھیں۔ اسے قطعی پسند نہ تھا جمال کا فرینک ہونا۔

یہ...... یہ لڑکی کیوں نہیں سمجھتی۔

”شایان خود کو بدلو، میری خاطر، اس گھر کی خاطر۔ شادی سے پہلے جو تھا وہ تھا، اب تم ایک ذمے دار عورت بن جاؤ۔ گھر داری سنبھالتی۔ اس بات کی پروا کرتی کہ تمہارے شوہر نے ناشتا کیا، اسے کس وقت کیا چاہیے۔“ وہ لب بھینچ کر لفظ چبا کر بول رہا تھا۔ ”آئندہ جانا ہے تو امی کے ساتھ جانا۔“ اس کا بے نیاز رویہ عباد کو سلگا رہا تھا۔ کس قدر خود غرض ہے یہ لڑکی اسے میرے غصے کی پروا ہے نہ سلگنے کی۔ جھٹکے سے گاڑی گھر کے گیرج میں کھڑی کی اور وہ شان سے اتر کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ عباد نے رنجیدگی، تاسف اور ملال سے اس بے نیازی کی شال اوڑھے ”سو واٹ“ کا سلوگن گنگناتے ہوئے شایان کو اندر جاتے دیکھا اور شدتِ بیچارگی سے اسٹیرنگ پر سر ٹیک دیا۔

کیا اس نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ امی کی بددعائیں ہیں یا بہنوں کی ناپسندیدگی۔ شایان پر کسی زبان کا اثر نہیں ہوتا۔ کیا وہ اس سے محبت نہیں کرتی۔ محبت کے رنگیلے بادل شبنم کی صورت اس پر برسنے لگے۔

☆☆☆

جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ اس کی شکایت بڑھتی جارہی تھی، اس کا جانا پھپو کے گھر بڑھ گیا تھا۔ عباد کی سختی ہی نہیں تھی۔ اس کی شخصیت کے شجر کو تربیت کا پانی نہیں ملا تھا۔ کبھی کسی نے روک ٹوک کی ہی نہیں تھی۔ اچھا برا سمجھایا ہی نہیں تھا اور تھا ہی کون سمجھانے والا۔ گھریلو زندگی کے اسرار و رموز کو وہ کیسے جان پاتی اور وہ جان سکتی بھی نہیں تھی۔ اس کی دوستوں نے اسے جانے ہی نہیں دیا۔ اسی طرح کی سرپھری، بددماغ اور آزاد خیال۔ اس کے کان بھرتیں۔

”سنو، ساس کو منہ مت لگانا اور جٹھانی سے تمہیں کیا لینا دینا، میاں کو مٹھی میں رکھو بس۔“

”اور کوشش کرکے ایسا ماحول بنالو کہ ساس تمہیں الگ ہی کردیں اگر نہیں تو تم زبردستی ہوجاؤ۔“

”اپنی مرضی کرنا، من پسند زندگی گزارنا۔ اکیلے راج کرنا، شوہر کی کمائی کھانے کا الگ ہی مزہ ہے۔“

”تمہیں کیا پڑی ہے خدمت گزاریاں کرو۔“

آنکھیں بند کرکے وہ اپنی چہیتی دوستوں کے کہے پر چل رہی تھی۔ اپنی عقل اس نے ان کے پاس ہی رہن رکھوا دی تھی۔ تو سمجھ بوجھ کیوں قیام کرتی اس نے بھی تولنے میں دیر نہیں لگائی۔ عقل سمجھ سے خالی وجود بھربھری مٹی ایسا ہوتا ہے۔ ذرا سی ٹھیس لگی اور بھربھری مٹی کی طرح زمیں بوس۔ اس نے حالات کو بہت خراب کردیا تھا ساس کی خاموشی پر حیرت ہوتی تھی۔

”تمہاری ساس تو مجھے ساس لگتی ہی نہیں ہیں، ساسوں سے بھلا بہوؤں کی زبان، ٹیڑھی نگاہ برداشت ہوتی ہے کیا۔“

”نہیں، واقعی بہت اچھی ہیں کبھی مجھے افسوس ہوتا ہے میں زیادتی کر رہی ہوں۔“

”اے..... اے۔“ ملکہ نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ ”یہ تمہاری ساس کی مکاری ہے خاموشی کا جال ڈال کر تمہیں قید کرلیں گی تاکہ ساری عمر تم سے غلامی کرواسکیں۔ خبردار، جو تم ان کے جال میں پھنسیں عباد کو اتنا مجبور کردو کہ وہ تمہیں الگ گھر میں رکھے۔“ ملکہ نے پٹی پڑھائی۔ الگ گھر، حکمرانی، صرف عباد اور وہ۔ ایک نشہ، ایک نشاط اس کی رگوں میں دوڑنے لگا۔

”عباد کو معلوم نہیں کیا ہوا ہے، میری تو وہ سنتے ہی نہیں ہیں الٹا ڈانٹ دیتے ہیں۔ بہت بدل گئے ہیں وہ۔“ شایان سنجیدہ تھی۔

”ایسا کرو۔“ ملکہ نے غزل کو آنکھ ماری اور شایان کی جانب کھسک گئی۔

”مجھے لگتا ہے کہ میں کبھی الگ گھر نہیں بناسکتی وہ تو.....“ بے چارگی سے دوستوں کو دیکھا۔

”ارے ہم ہیں نا، فکر ہی مت کرو۔“ نازش نے سینے پر ہاتھ مارا۔

”ارے شر انگیزی اختیار کرو۔ دو چار ہوائی اڑا دو۔ خاندان کی لڑکیوں کے قصے مشہور کرو۔ اس کی اس سے اور اس کی اس سے۔ پھر دیکھنا..... یوں۔“ ملکہ نے ہوائی چٹکی بجائی۔

”کیسے، تمہاری ساس بلا بجھ کر الگ کرتی ہیں۔ ذرا ماڈرن رخ کو مزید پھیلاؤ۔ گھر کی فضا کو گرم کرو۔ عباد کے سامنے کام کے بوجھ کا رونا روؤ۔ دیکھنا یوں..... منٹوں میں تمہارا گھر بنتا ہے۔“ عاقبت نا اندیش لڑکیاں کیا، کیا پروگرام بنا رہی تھیں اور تقدیر ان کے کیے پر شاطرانہ کھیل کھیلنے کو تیار تھی۔ جو خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا چاہتے ہیں۔ تقدیر ذرا زور سے ساتھ دیتی ہے۔ پھر اس کی پروا نہیں ہوتی، بندہ کتنا زخمی ہوا، کتنا شکست خوردہ ہے یا..... اس کا کتنا نقصان ہوا۔ اچھا یا برا۔ خدا نے دو راستوں کا تعین کردیا۔ بندے کو عقل کل تھما دی۔ اب یہ بندے کی مرضی کہ وہ کیا رخ اختیار کرتا ہے۔

☆☆☆

”اٹھو..... اٹھو تم!“ وہ جو بڑے سُر اور موڈ میں میوزک سن رہی تھی۔ عباد کی آواز پر ہڑبڑا گئی۔

”کیا ہوا؟“

”بھابی.....“ دروازے پر شمین کھڑی تھی۔ بھیگا ہوا چہرہ، سوجی ہوئی آنکھیں۔ وہ سیدھی ہوئی، شمین اس کی ممانی ساس کی بیٹی تھی۔

”میں نے کب کہا تھا کہ میں حسام کو پسند نہیں کرتی، میری منگنی زبردستی ہوئی ہے اور یہ کہ مجھے تو کہیں اور کرنا تھی، بتایئے۔“ وہ اس کے سامنے رکی۔

”تم نے تو کہا تھا فلک کے سامنے۔ مریم پھپھو کے گھر۔“ شایان نے کمال معصومیت سے آنکھیں پٹ پٹائیں۔ ”جب میں نے پوچھا تھا کہ حسام تمہیں کیسا لگتا ہے۔ تو تم نے نہیں کہا تھا میری تو مرضی نہیں تھی گھر والوں کا فیصلہ تھا تو پھر مجھے ہاں تو کرنا ہی پڑے گا۔“

”تو گھر والوں کا ہی فیصلہ ہے، پوچھ لیں آپ کی بات سن کر وہ لوگ منگنی توڑ رہے ہیں۔“

”ہا.....!“ شایان نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کمال معصومیت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ”مگر میں نے تو.....“

”شایان تمہیں کیا ضرورت تھی جھوٹ بولنے کی۔“ عباد کھا جانے والے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

”عباد، یہ سچ ہے اب شمین جھوٹ بول رہی ہے تو میں کیا کروں۔“

”نہیں..... نہیں بھابی..... نہیں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور شایان کی مکاری کو اس پر رحم نہیں آرہا تھا۔ وہ باہر نکل گئی عباد اسے گھورتا ہوا پیچھے نکل گیا۔ پھر شایان کو اس کھیل میں مزہ آنے لگا۔ شمین اور حسام آپس میں کزن تھے۔ ان کی منگنی ٹوٹنے کی آخری اسٹیج پر تھی کہ اچانک ہی دونوں کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی ساری بساط ہی الٹ گئی۔ سب کا رویہ اچانک ہی اس سے اکھڑا اکھڑا ہوگیا۔ عباد کی خواہش تھی کہ اس کی بیگم بھی گھر والوں کے ساتھ مل کر رہے جوانی کی طرح اس کے سینے میں چبھ کر رہ گئی۔ شایان کا رویہ، سلوک، لہجہ یکسر و یکدم بدل گیا تھا اور امی بس چپ چاپ دیکھ اور نوٹ کر رہی تھیں۔ انہوں نے نہ بولنے کا تہیہ کرلیا تھا۔

خاندان کا دوسرا قصہ نائلہ اور آفاق کا تھا۔ ان کا اسکینڈل مشہور کردیا۔ بڑی بھابی کی کزن تھی نائلہ جو اپنے کزن کے ساتھ اکثر آجاتی تھی۔ ثمین و حسام کا ساتھ خدا نے دیا ان کی شادی ہوگئی مگر بڑی بھابی نے تو شایان کے لتے لے لیے۔

گھر میں گھمسان کا رن پڑا۔ تو تو، میں میں۔ شایان میں ادب، لحاظ تمیز کا فقدان تھا، بڑی بھابی کو بے عزتی کا احساس ہوا۔ انہوں نے بالکل ہی شایان کا بائیکاٹ کردیا اور زبیدہ رحمن نے اب کی بار سنجیدگی سے نوٹس لیا۔ خاندان بھر میں تھوتھو ہورہی تھی آپوجان کی چھوٹی دلہن کتنی طرار ہے۔ اس کے قصے، اس کی باتیں۔ گھر کا ماحول ایک تناؤ اور کشیدگی کی کیفیت۔ انہوں نے دل پر پتھر رکھ لیا۔

''عباد، تم اپنی بیگم کو لے کر الگ چاہو تو انیکسی میں رہ سکتے ہو۔ یا پھر گلشن والے فلیٹ میں۔''

''جی......!'' عباد نے نگاہ چرا کر فیصلہ دیتی ماں کو ہکابکا ہوکر دیکھا۔

''میں نہیں چاہتی تمہارا گھر خراب ہو اور نہ ہی یہ چاہوں گی کہ اس گھر کا ماحول خراب ہو۔ ماحول اور گھر دونوں ہی بڑی مشکل اور چاہت سے بنتے ہیں۔ میں نے اپنے گلشن کی پتیاں نہیں بکھیرنی، جو صورتِ حال ہے وہ سب تمہارے سامنے ہے۔'' عباد دل شکستہ سا ان کے سامنے دوزانو ہوا۔

''آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟'' عباد نے پوچھا۔

''نہیں، میں تم سے ناراض نہیں بیٹا مگر تمہاری بیوی کی موجودگی میں نقصِ امن کا خطرہ رہتا ہے۔'' زبیدہ بیگم نے کہا۔

''تو امی آپ اسے سمجھائیں، اس گھر کے طور طریقے سمجھائیں۔'' عباد نے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔

''جو شوہر کی نہیں سنتی وہ ساس کی کیسے سنے گی۔ میں اس کے ہاتھوں بے عزت نہیں ہونا چاہتی۔ اس کی گز بھر لمبی زبان۔ کینہ توزی اور جھگڑالو لہجہ۔''

''امی!'' عباد دکھ سے انہیں دیکھتا چپ ہوگیا۔

''وہ سیکھنے کی عمر سے گزر چکی ہے۔ وہ الگ گھر چاہتی ہے، اس کی یہ خواہش بھی پوری کردو۔'' اس کی آنکھوں میں دھواں بھرنے لگا۔ اس کی محبت اس کے گلے میں اٹکنے لگی تھی۔ زندگی کا احساس ایک دم سے بوجھل اور بھاری ہونے لگا۔

''پھر کیا فیصلہ ہے؟'' بیٹے کے جھکے ہوئے سر کو ملامت سے دیکھا۔ ''مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے مگر......'' زبیدہ بیگم نے ملامت سے اسے دیکھا۔

''امی، میں نے آپ کو دکھ دے کر جو فیصلہ کرلیا ہے کافی ہے، مجھے اس پر بہت شرمندگی ہے مگر......'' عباد نے سر اٹھایا۔ ''آپ کو اب کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' عباد دھیرے سے اٹھا اور باہر نکلنے لگا۔

''شایان میکے گئی ہے۔'' زبیدہ بیگم نے کہا تو پلٹ کر عباد نے ماں کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔ اس کا دل و دجود رنج والم میں ڈوب رہا تھا۔ اسے شایان کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کا اور اس کا ساتھ اتنا ہی تھا۔

اس پر کسی کے سمجھانے کا اثر ہی نہیں تھا اور نہ ہی وہ اسے خاطر میں لا رہی تھی۔ اسے خبر ہی نہیں اور وہ میکے گئی ہوئی ہے۔ اس کی پرواہ ہے اور نہ خبر۔

''شایان!'' عباد نے دھیرے سے سر تھام لیا۔

''تم نے میری محبت کو میرے لیے رستا ہوا ناسور بنا دیا ہے۔ بے خبری تمہیں بہت مہنگی پڑے گی، تمہیں خبر ہی نہیں ہوگی کہ میں تمہارا نہیں رہا۔'' پلکوں کی سطح بھیگنے لگی۔ دھیرے سے فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو میں شایان۔''

''شایان تم ابھی میکے میں رہو میں اسلام آباد جارہا ہوں، آؤں گا تو تمہیں لیتا آؤں گا۔''

''مگر......مگر......'' شایان نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ اور لفظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ عباد نے فون رکھ دیا۔ اس کی بات سنی نہیں، کیوں۔ اسے عجیب سا فیل ہوا۔

''کیا ہوا، تم نے بتا دیا عباد کو؟'' سامنے زری کھڑی تھی۔ ''نہیں......انہوں نے کہا ہے کہ میں اسلام آباد جارہا ہوں واپس آکر بک کرلوں گا۔''

"ویلڈن! یہ تو بہت اچھا ہوا۔" اس نے آنکھ دبا کر غزل کو دیکھا۔ "یہ تمہارے باپ کا گھر ہے، مزے اڑاؤ۔ اور ہم غریبوں کا فائدہ بھی ہو جائے گا۔ محبت کے مارے عاشق، نواد سے مل بھی لینا۔ سچ بہت آہیں بھرتا ہے تمہارے لیے۔ اب تم عملی جامہ پہناؤ اور واپس مت جانا۔ الگ گھر کی بات کرو، الگ گھر عورت کا حق ہے۔ تم کیوں اپنے حق سے دستبردار ہو۔" ملکہ نے پٹی پڑھائی۔

الگ گھر اس کا خواب تھا مگر اس کی ساس نے بیٹے کو مٹھی میں دبا رکھا تھا۔ اپنے خوابوں کی تعبیر دوسروں کو دے رہی تھی۔

"زری!" وہ دھم سے صوفے میں دھنس گئی۔

"کبھی کبھی مجھے بہت گلٹی فیل ہوتا ہے عباد...... عباد کی امی سب اچھے ہیں اور میں غلط کر رہی ہوں، کیوں غلط کر رہی ہوں سمجھ نہیں آتا۔"

"اے...... اے......" ملکہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ "ایسا سوچنا بھی مت۔ ابھی موقع ہے سطح بھی ہموار ہے مانگ لو۔ آئندہ چند سالوں میں ماں کا بچہ عباد یہ نہیں کرے گا۔" اس کا دل خالی خالی ہو رہا تھا اور اسے اس خالی پن کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اس کی سہیلیاں خود مختاری کے نئے سبق پڑھانے لگیں جس میں سراسر ان کا ہی فائدہ تھا۔

وہ آزاد خیال فیشن ایبل لڑکیاں تھیں جنہیں اپنے تھرل اور جنوں خیزیوں کے لیے ایک الگ ماحول، جگہ کی ضرورت تھی اور شایان ان کے ہاتھ میں جادوئی پتا تھا۔ پیسہ، ساتھ، خاموشی، رہائش، سب میسر تھا۔ جو چاہتی کروا لیتیں اور شایان ان کے ہاتھوں میں کھیل بنی ہوئی۔ اسے خبر ہی نہ رہی کہ محبت کے راستے اس کے لیے بند ہو گئے ہیں۔ چاہت کے دروازوں پر دکھ کے قفل لگ گئے ہیں جنہیں رنج کا زنگ لگ گیا تو کبھی نہیں کھلیں گے۔

☆☆☆

امی کے فیصلے نے اس کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شایان نے اس حد تک ہرٹ کر دیا ہے کہ وہ سنجیدگی سے اسے علیحدہ کرنے کے بارے میں سوچیں گی۔ شایان کے طور طریقے الگ کہانی سنا رہے تھے۔

اس نے بھی اپنی زندگی کا بڑا اور سخت فیصلہ کر لیا۔ شایان کو طلاق دینے کا۔ زبردستی کے اس ساتھ کو نبھانے کا کیا فائدہ۔ جب ہر سو شکایت، ملامت اور رنجیدگی کی فضا ہو۔ خود شایان بھی تو رہنا نہیں چاہتی۔ اس کی زندگی میں کیا اہمیت تھی عباد کی۔ ہر فیصلہ اس کا اپنا ہوتا۔ محبت تو اسے تھی ہی نہیں۔

"ماڈرن ازم کا شکار لڑکیاں شاید محبت نہیں کر سکتیں پھر پڑاؤ ڈالنے کا فائدہ۔" اس نے اپنے دل کو سخت کر لیا۔

دن بڑے بے کیف، روکھے اور اداس گزر رہے تھے۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے شایان سے رابطہ نہیں کیا۔ اور گھر میں کوئی بھی شایان کے موضوع پر اس سے بات نہیں کرتا تھا اور وہ سخت اپ سیٹ تھا۔ شایان کو اس قدر ناپسندیدگی سے دیکھا جاتا ہے فی الفور اس کا حل بھی تھا کہ اسے علیحدہ کر دیا جائے۔ اس نے علیحدہ کر دیا تھا اور اب رشتے کے خاتمے کے لیے اس کا دل کٹ رہا تھا۔ یہ احساس ہی سوہانِ روح..... تھا کہ وہ شایان کو چھوڑ بھی سکتا ہے جس کو اتنی محبت اور جھگڑے سے حاصل کیا۔ کیا محبت اس کے لیے بدقسمت ٹھہری تھی۔ اس سے منسلک محبت کے رشتوں کی ناپسندیدگی اس کے لیے بددعا بن گئی۔ انہی دنوں جب وہ اپنی ازدواجی زندگی کے حوالے سے بہت پریشان تھا، سب فیصلے اس کے اپنے تھے۔ اسے سوچنا تھا دل کا ایک محبت آمیز گوشہ مفاہمت و افہام کی راہ پر گامزن ہونے کی ترغیب دے رہا تھا۔ درگزر کا راستہ سمجھا رہا تھا مگر درگزر وہاں ہوتا ہے جہاں سامنے والا فریق کچھ راضی ہو مگر وہاں تو دیدہ دلیری تھی۔

ملکہ، غزل اور زری اس کے گھر کی تنہائی کا بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھیں روز شام کو اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ آ جاتی تھیں اور رات گئے تک یہ مخلوط محفلِ کباب، شراب ہوتی، بھرپور انجوائے منٹ کے ساتھ۔ شایان

کا والد سے رابطہ صرف فون پر ہوتا تھا اور فی الحال وہ نہیں آرہے تھے۔ سارہ آنٹی کی اہمیت ہی کتنی تھی۔ بے شک ساری عمر پالا تھا گھر والوں کی غیر موجودگی میں گھر کا خیال و دھیان رکھا تھا مگر بے راہ رو دوستوں، من مانی، من مرضی کے فیصلوں، بے دریغ پیسے کا استعمال اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی نے سمجھ بوجھ کے پودے کو پروان چڑھنے ہی نہیں دیا۔

ایک ماہ ہوگیا تھا اسے گئے ہوئے۔ گھر کا ماحول ویسا ہی پرامن اور پُرسکون تھا۔ اس نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس روز امی کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک ہی سر جھکا کر قدرے سخت مزاجی سے کہا ''امی میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔''

''کیا......!'' انہیں اپنی سماعت پر شک گزرا۔ ''کیا کہا؟''

''ہاں، امی، مجھے اعتراف ہے میرا فیصلہ غلط تھا۔ جذبوں کے مارے جذباتی فیصلوں کا انجام یہی ہونا چاہیے میں اسے طلاق......''

''ایسا سوچنا بھی مت عباد! ہمارے خاندان میں کبھی کسی کو طلاق نہیں ہوئی۔''

''امی...... میرا اس کے ساتھ گزارہ اب بہت مشکل ہے۔ وہ آزاد خیال ایک گھر بنانے کے قابل ہے، نہ گھر میں رہنے کے۔''

''تم اسے الگ گھر لے کر دو سمجھاؤ۔ دراصل وہ اکیلے گھر میں رہی ہے۔ اسے اتنے سارے افراد کے درمیان رہنے کی عادت نہیں ہے۔''

''امی......'' وہ انہیں دیکھتا رہ گیا۔ انہوں نے نگاہ چرالی۔ ''اس کے باوجود کے اس نے اس گھر کے تمام لوگوں کو ہرٹ کیا۔ انہیں دکھ دیا۔ خاندان بھر میں اس کی وجہ سے جگ ہنسائی ہوئی۔ آپ اس کی سائیڈ لے رہی ہیں۔''

''ہاں، اس سب کے باوجود وہ تمہاری خوشی، تمہاری پسند بھی تو ہے۔ تمہارے گھر کی بنیاد بھی تو ہے، سمجھ جائے گی۔ ابھی اسے اتنی گھرداری کی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ میں تمہیں الگ گھر بنانے کا مشورہ کبھی نہ دیتی مگر اس کی جٹھانیوں سے نہیں بنی الگ مزاج کی لڑکی ہے وہ۔''

''امی......!'' عباد نے دھیرے سے پیشانی مسلی۔ (وہ میری بھی تو نہیں ہے)

''اس کا مزاج ایسا ہی ہے میں اس کے حسین چہرے سے دھوکا کھا گیا تھا۔ وہ کسی بات کو نہیں سمجھتی۔''

''سمجھ جائے گی، سنبھل جائے گی بہت جلد۔ تم دیکھنا بس تم اسے الگ گھر لے دو۔'' ان کا اصرار تھا۔

''اپنے باپ کے گھر ٹھیک ہے، الگ ہی ہے وہ۔ کر لینے دیں موج میلا......'' عباد نے متنفرانہ انداز میں سر جھٹکا۔

''بس بیٹا، مجھ سے وعدہ کرو کہ اسے طلاق نہیں دو گے۔''

''امی!'' عباد ان کے ملتجی انداز اور بے بس آنکھوں کی چمک پر حیران ہوا۔

''آپ......!''

''تم نے اپنی کوشش کر لی ہے، اب آخری کوشش اسے سمجھانے کی راہ پر لانے کی میں کروں گی پھر تمہیں اختیار ہے۔'' دھیرے سے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر عقیدت سے چومتا عباد بے غرض محبت، بنا صلے و ستائش کے ماں کی عظمت کا قائل ہوگیا۔

''شام کو پھپو کی طرف چلنا ہے۔'' محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''کیوں......؟''

''ابتسام کی منگنی ہے نامدحت سے۔''

''میں نے نہیں جانا۔''

''تم جاؤ گے اور ضرور جاؤ گے۔''

''امی......!'' عباد نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

''بے شک مدحت مجھے پسند تھی تمہارے حوالے سے مگر کوئی بات نہیں قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں یہ بندوں کا کیا اختیار۔'' عقیدت، محبت اور فرطِ مسرت سے ماں کے گھٹنوں پر سر رکھا اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

کتنی عظیم ہوتی ہے ماں۔ بچوں کی غلطیاں،

کوتاہیاں، کفارے کے طور پر اپنی جھولی میں ڈال لیتی ہے۔ کاش! کاش...... وقت کے اس گھوڑے کو اپنے رخ پر چلا سکتا۔ ایک بار پھر گیا وقت آتا اور ماں کے آگے سرنگوں ہو جاتا۔ امی مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے مگر...... اشک ماں کے دامن میں جذب ہونے لگے۔ انسان بڑا خود غرض ہے، اپنی غرض، اپنی خواہش پوری کر کے ٹھوکر کھا کر پھر سنبھلتا ہے۔

☆☆☆

چپ چاپ خاموش، عباد گھر والوں کے ساتھ ایک عرصے بعد کسی تقریب میں شریک ہوا تھا۔ ہر چیز اس کی زیرک نگاہ نوٹ کر رہی تھی۔ بڑی بھابی، راحمہ بھابی، ندا بھابی۔ پھپھو، خالہ، مریم پھپھو ہاتھوں ہاتھ لے رہی تھیں۔ دیر سے آنے کی وجہ جان رہی تھیں، اک دن پہلے نہ آنے کا گلہ کر رہی تھیں۔

کاش...... گھر کے پُر امن ماحول کا خواہاں عباد ہو کر رہ گیا۔ تم بھی اس خاندان میں جگہ بنا ڈالتیں، تمہارا دامن بھی خوشیوں اور مسرتوں سے بھر جاتا۔ مگر تنہائی کی خواہش اس کے تن من سے لپٹ کر رقص کرنے لگی تمہیں تو میری محبت میں بھی گھر بنانا نہ آیا۔ تمہیں مجھ سے محبت تھی ہی کب؟ اس نے باہر لان کی جانب رخ کیا۔ چاند بادلوں کے پیچھے چھپ چھپ کر نکل رہا تھا۔ بے چینیوں کے بادل تن من سے لپٹنے لگے۔ لان کے ویران گوشے میں سنگی بینچ پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا۔

☆☆☆

''ویسے آج آئی کیوں نہیں؟'' آواز پر وہ چونکا۔

''خبر نہیں، ممانی کے گھر والے تو سب آ گئے۔ عباد بھی آ گیا۔''

''بے خاصے کی چیز، محفل آباد کر دیتی ہے عباد کی بیوی۔''

''اوپر سے ماڈرن لک دیتی ڈریسنگ۔''

''لگتا ہے بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔'' عباد کی تمام حسیات بیدار ہو گئیں۔ یہ جاوید اور ابرار تھے۔

''میں نے تو اسے ڈنر بھی کرایا تھا۔''

''اچھا......'' عباد کا خون رگوں میں ٹھہر گیا۔

''کمال کی چیز ہے اکثر فون پر بات ہوتی ہے بڑی بے ساختگی سی ہوتی ہے۔ دل چاہتا ہے انسان اس کی مہکتی ہوئی کمپنی سے نکلے ہی نا۔''

''اچھا...... پھر کیا ارادہ ہے؟'' ذو معنی سا لہجہ۔ عباد کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''ارادہ......'' ٹھنڈا گہرا سانس۔ عباد کے خون کا فشار بڑھنے لگا۔ وہ دونوں اس کی آمد سے بے خبر تھے۔ بے اختیار پلٹ کر اندر آیا۔ محفل کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ اس کی محبت، اس کی بیوی، اس درجہ تماشا۔ تھی۔ کس بات کی کمی تھی اس میں کوئی روک ٹوک نہیں۔ کسی چیز کی تنگی نہیں۔ قید و بند کی پریشانی نہیں اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال تھا۔

''عباد، ارے عباد...... ادھر آ۔ سن تو ذرا۔'' اپنے نام کی پکار پر پلٹا۔ اس کا ارادہ امی کو بتا کر جانے کا تھا۔ چھوٹی دادی اسے بلا رہی تھیں۔

''جی دادی اماں!'' قریب آ کر سلام کیا۔ بے دلی کے ساتھ ان کے قریب اخلاق نبھانے کو بیٹھ گیا۔

''کیا بات ہے، کچھ پریشان ہو۔ کدھر غائب ہو اور تمہاری بیگم کدھر ہے، وہ نہیں آئی کیا؟'' عباد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا۔

''بیگم......'' زیر لب قدرے دکھ سے دہرایا۔ (ہم جیسے بدنصیب جو بددعاؤں کے حصار میں ہوں کہاں بیگم رکھ سکتے ہیں)۔ دادی اماں نے بٹوے میں سے پان نکال کر گلوری منہ میں ڈالی۔ ''نہیں......''

''کیوں نہیں آئی؟''

''میکے گئی ہے، میں چلوں۔'' وہ اٹھنے لگا۔

''بیٹھو ذرا۔'' دادی نے بازو پکڑ لیا۔

''تمہاری بیوی ہے وہ، اپنے خاندان کے متعلق تم نے ہی اسے سمجھانا ہے اس کے اندر اخلاقِ حمیدہ کی کمی ہے بیٹا۔ زندگی گزارنے کے طور طریقے، رہن سہن کے انداز، رشتوں کو برتنے کے سلیقے کی بہت کمی ہے اس کے اندر۔ رشتے جب تک اہم نہیں ہوتے جب تک ہم انہیں اہم نہ سمجھیں یا اہم نہ بنائیں۔'' عباد ان کی شکل دیکھا رہ

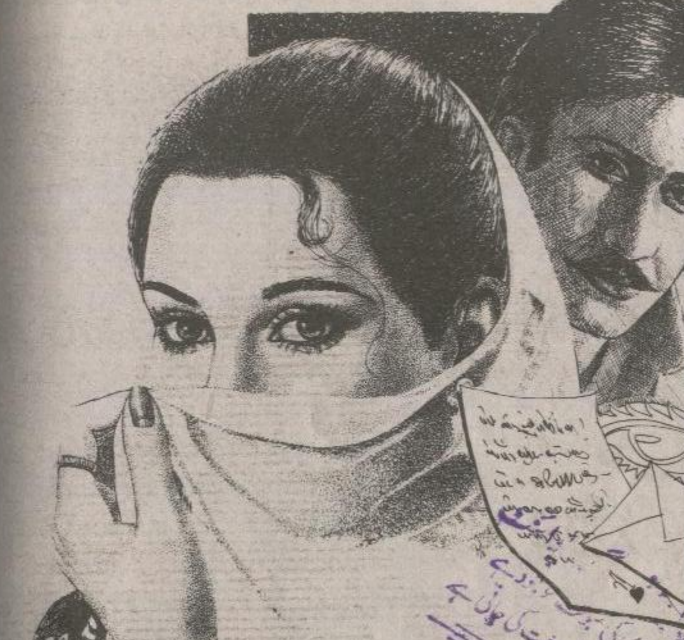

دکان نمبر 43 صدر بازار ہری پور

ناولٹ

اعتبار محبت

عالیہ حرا

غم، غصے، دکھ اور رنجیدگی سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا خود جائے اور شایان کے ٹکڑے کر دے۔ کم عمر، ناقص العقل...... نابالغ تو نہیں تھی۔ کیسی تربیت تھی اس کی جو اس کے ساتھ نے بھی اسے نہ سکھایا۔ پورے خاندان میں عباد کی بیوی...... عباد کی دلہن کے نام پر تھو تھو ہو رہی تھی۔

"تف ہے تم پر عبادالرحمٰن۔" بے اختیار شدید اعصابی تھکن و غصے کے تناؤ میں مبتلا عباد نے گاڑی کا رخ اس کے گھر کی طرف کیا۔

"آج سارا حساب بے باک ہو جائے۔ رہے رہے نہ رہے نہ رہے۔ محبت تو نذار دہو ہی چکی ہے۔" مگر شایان کی قسمت اچھی تھی یا اس کی تقدیر بری۔ چوکیدار نے کہا "بی بی گھر میں نہیں۔" اس نے گھڑی دیکھی دس بج رہے تھے۔ گاڑی واپس موڑ لی۔ لب بھینچے دھواں اڑاتی آنکھوں کے ساتھ وہ رات گئے تک اپنے دل میں ماتم کناں شام غریباں مناتا رہا۔ اس کا دل لہو رنگ بار بار

آنکھوں کی سطح کو نم کر رہا تھا۔

''عباد رات کو تم کدھر چلے گئے تھے سب تمہارا پوچھ رہے تھے۔'' بڑی بھابی ناشتے کی ٹیبل پر چہک رہی تھیں۔ ''خاص طور پر مریم پھپو۔'' ندا بھابی ہنسیں۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر رہ گیا۔ شایان نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوتا تو یہ اچھا کرتیں۔ عباد نے سر جھکا کر چائے کا کپ کھسکایا۔

''آتے ہوئے آپا کی طرف چلے جانا بہت پوچھ رہی تھیں۔'' زبیدہ رحمٰن نے بیٹے کا ستا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''جی!'' اس نے ایک سلائس بے دھیانی میں اٹھا لیا۔ جانے کیوں بے انتہا دکھ سا ہوا۔ ہنستا، کھیلتا عباد محبت کا چاند پا کر گہنا گیا۔ چائے پی کر وہ اٹھ گیا۔ گہری سنجیدگی سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے اس کے گھر کا رخ کیا۔ پیشانی پر شکنوں کا جال تھا۔ گیٹ پر چوکیدار نے بتایا۔ ''بی بی ... تو فارم ہاؤس چلی گئیں اپنی دوستوں کے ساتھ۔'' اس کے کانوں کی لویں دہکنے لگیں۔ اکیلی تنہا شہر سے باہر۔ سندھ کے علاقے میں۔

''کب آئیں گی؟''

''معلوم نہیں۔'' اس نے گاڑی واپس موڑ لی۔

''آر یا پار اس کھیل کو اب ختم ہو جانا چاہیے۔ اسے میرے ساتھ کی ضرورت ہے نہ میری ناراضی کی پروا اور نہ اس بات کا احساس کے اپنے پیچھے وہ کیا کر آئی ہے۔ اس کے حوالے سے لوگ اسے کیا کہتے ہیں۔ محبت نے سوائے دکھ کے کیا دیا۔ نقصان کے اس کھیل کو ختم ہو جانا چاہیے۔ امی کو یہ سمجھا دوں گا۔ اس کا ساتھ ممکن نہیں۔ میں غلطی پر تھا اور قسمت غلطیوں پر سزا ضرور دیتی ہے۔ تقدیر کے کاموں میں مداخلت کی سزا۔''

☆☆☆

آفس میں دن سوچتے ہوئے گزرا۔ آفس میں پھپو کا فون آیا۔ پھپو کے گھر جانا ہی پڑا اور انہوں نے شایان کے حوالے سے بے بھاؤ کی سنائیں۔ اسے اچھا خاصا ذلیل کر ڈالا۔ وہ سر جھکائے سنتا رہا۔

''کیا دیکھا تھا تم نے اس کے اندر سیرت ...... جو نام کو نہیں، اخلاق ...... جو قابلِ نفرت ہے، عادتیں جو ایک گھر تباہ کر دیں۔ صورت ...... صورت کو کب تک چاٹو گے۔ محبت کرنی ہی تھی تو صورت سے کیوں کی خوب سیرتی دیکھنا تھی نا۔ بے راہ روی، مکاری، آزادی نے اسے شیطان بنا دیا ہے۔''

''پھپو ......!'' وہ سانس لینے کو رکیں۔ ''میں سخت شرمندہ ہوں۔''

''تمہاری شرمندگی کو میں نے کیا کرنا ہے۔ خبر تو اس کی میں لوں گی۔ تمہارے پھوپا کی طبیعت سنبھل جائے تو گھر آؤں گی۔ اس نے جو فصل بوئی ہے میں نے جڑ سے اکھاڑ پھینکنی ہے۔'' وہ سر جھکائے سنتا رہا۔ اس کا قصور کوئی نہیں تھا۔ مگر اسے سارے قصور ماننے تھے۔ شایان اس کی بیوی تھی۔ وہاں سے نکلا تو سخت مشتعل اور متنفر تھا۔ سیدھا ادھر پہنچا۔ اور چوکیدار کے بتانے پر کہ بی بی ... اندر ہیں بڑھتا چلا گیا۔ وہ اپنے بیڈروم میں تھی۔

شایان اس کی دہاڑ پر بے ساختہ کمبل میں دبکی دہل کر اٹھی تھی۔ زرد چہرہ، اتری ہوئی رنگت، کمزور لاغر وجود اک نگاہ میں دیکھا۔ چاند چہرے کا حسن ماند تھا۔ اک نگاہ شایان نے ڈالی مگر اسے مطلق پروا نہ تھی۔

''تم ایک بدزبان، حاسد، منافق لڑکی ہو۔ مجھے خود پر افسوس اور ندامت ہے کہ میں نے تمہارا انتخاب کیا۔ تم میرے لیے سزا ہو، محبت نہیں۔ اپنے پیاروں کا دل دکھانے کی سزا مجھے ملنی چاہیے۔'' عباد کے لہجے کی پھنکار سنتی شایان ساکت تھی۔ شعلے اگلتی نگاہیں اس پر مرتکز تھیں۔

''کوئی خصوصیت ہے تم میں گھر بسانے کی۔ پچھلے ڈیڑھ سال میں تم نے مجھے کیا دیا سوائے ذلت، رسوائی، بدنامی اور دردِ مسلسل کے بدفطرت عورت ......'' اسے شایان کے زرد چہرے کی مطلق پروا نہیں تھی۔ اسے چاند چہرہ ستارہ آنکھیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ سوائے اس خفت و خجالت کے جو وہ ابھی سہہ کر آ رہا تھا پھپو کے گھر سے جو انسلٹ، بے عزتی اسے ملی تھی اس کا تدارک کچھ نہیں تھا۔

''ایک بدفطرت کینہ پرور اور حاسد عورت کے لیے میں اپنے پیاروں کو چھوڑ دوں ...... کیوں، صرف تمہارے لیے! کیوں، کیا دیا ہے تم نے مجھے۔ جو میں مزید اپنوں کو دکھ دوں، کیوں! جن کے اندر خود اچھائی نہ ہو دوسروں کو کیا جانیں گے، ان کی اچھائی کو کیا پہچانیں گے۔ اچھا ہوا تم ماں نہیں بنی ہو تمہاری اولاد تمہاری طرح غافل رہتی۔ جو اچھی بیوی نہیں بن سکی وہ اچھی ماں کیسے بنے گی۔ تمہارے جیسی امیر زادیاں ... وقت گزارنے کے لیے ہوتی ہیں میں احمقِ اعظم تھا جو تم سے شادی کر بیٹھا مگر ابھی وقت میری دسترس میں ہے اور میں فیصلہ کر چکا ہوں تمہیں چھوڑنے کا۔'' متنفرانہ اندازِ حقارت کی نگاہ۔ رسوائیاں، بدنامیاں دھول اڑا رہی تھیں۔ محبت رختِ سفر باندھ چکی تھی۔

''لعنت ہے میری زندگی پر۔'' عباد پلٹا۔ عباد واپس جا رہا تھا۔

''لعنت ہے میری زندگی پر'' شایان ہڑبڑا کر پیچھے بھاگی۔ زرد، کمزور، لاغر پیچھے بھاگنے کی خواہش نے قدموں کو کھینچ لیا۔ ''لعنت ہے میری زندگی پر۔'' وہ ڈگمگا کر کاؤچ پر گری۔ رختِ سفر باندھتی، بھاگتی محبت کو روکنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ اس کی محبت کا دم گھٹنے لگا۔ ہڑبڑا کر نیچے گری۔ بند آنکھوں کے پیچھے عباد کا دلکش سراپا تھا۔ اس کے وجود میں محبت سلامت تھی۔ آنٹی سارہ بھاگتی ہوئی اندر آئیں۔ تیزی سے نکلتے عباد کو بھی دیکھا تھا۔ بے دم سی شایان زمین بوس ہو گئی۔

''شایان ...... شایان ...... جانو کیا ہو بچے۔ آنکھیں کھولو۔'' نیم جان مردہ سی وہ ان کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

''عبا ...... عباد۔ میری ...... بات ......'' وہ کہتے ہوئے ایک طرف کو لڑھک گئی۔ اسے شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

دل کی بے چینی و بے تابی کے باوجود عباد نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ دشمنِ جاں کس حال میں ہے اور دشمنِ جاں رہی کب تھی۔ محبت میں کب تک خوار ہوتا رہتا۔ اس کی زندگی میں ایک خاموشی اک چپ شامل ہو گئی تھی۔ اپنے معمولات میں غیر ضروری مصروفیات بھی شامل کر لی تھیں۔ گھر میں ویسے ہی حالات ہو گئے تھے، خوش باش چہرے، ہنستی مسکراتی بھابیاں اور اِدھر اُدھر بھاگتے بچے۔ گویا جانے والی سے کوئی رابطہ ہی نہ ہو۔ کسی نے اس کے متعلق پوچھا ہی نہیں تھا پوچھا تو ان کے متعلق جاتا ہے جو باہمی رویّوں، رابطوں اور ضابطوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اک آسودگی، ذہنی سکون اور اطمینان اس کا نصیب ہی نہیں تھا زبیدہ رحمٰن، عباد کے لیے بے حد دکھی، ملول ہو رہی تھیں۔ بے شک اس نے فیصلہ اپنی پسند کا کیا تھا مگر وہ بالکل یہ نہیں چاہتی تھیں کہ بیٹے کا گھر اجڑے اور جو حل انہوں نے بتایا تھا عباد اس پر راضی نہیں تھا۔ رعنا بھابی تو چاہتی ہی تھیں کہ شایان کو طلاق دے عباد تو اپنی بہن کو اس کی جگہ لا کھڑا کریں۔

عباد آج کل اس معاملے سے بالکل ہی لاتعلق ہو کر رہ رہا تھا مگر زبیدہ رحمٰن اور لاتعلق نہیں رہ سکتی تھیں۔ شاید تابوت میں آخری کیل انہوں نے ہی ٹھونکنی تھی پھر گاڑی چل پڑتی یا پھر ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی۔ وقت کے ساحل پر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی۔

ہمراہی

تمہیں کچھ یاد ہے جاناں
سفر کی شب میں جب اس پل
محبت چاند بن چمکی
نگاہوں کا فسوں تھا یا
گرفت لمحوں کی تھی ہم پر
فلک سے نور سا برسا
دلوں سے اک صدا ابھری
یہی ہے میرا ''ہمراہی''!

شمیم ناز صدیقی، کراچی

✤

شایان بہت لاغر اور کمزور ہو گئی تھی۔ ایک دم سے

اس میں بہت تبدیلیاں آئی تھیں۔ ساری ماڈرن سہیلیاں، کلب، پارٹیز، پکنک سب ختم ہوگئی تھیں۔ چپ‘ گم صم، ملول سی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتی اور آنے والے راستے پر نگاہ جم جاتی۔ شدت سے اک کمی، کوتاہی، غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ وجود جیسے بالکل خالی ہوگیا تھا۔ کتنی بری لڑکی ہے وہ۔

”لعنت ہے میری زندگی پر......“ گھٹنوں پر سر رکھ کر آنکھوں کی نم سطح کو چھپالیتی۔

”لعنت ہے تم پر......“ عباد کے لفظوں کی گونج اسے چابک کی طرح لگتی ۔ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔ برائی کی راہ پر وہ کیسے چل پڑی تھی کسی نے روکا ہی نہیں مگر روکتا بھی کون...... کون تھا اس کا۔ گھٹنوں پر سر رکھے وہ سوچے جاتی ۔

”ماما، جنہوں نے میرے پیدا ہونے کے بعد ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔“

”ابو......“ اک سسکی سی وجود میں اتر گئی۔ ”انہوں نے صرف اپنے لیے سوچا۔ میرے پاس وہ رہے نہیں کبھی‘ مجھے اچھے برے کے متعلق نہیں بتایا۔ میں تو زندگی کو اپنے متعین کردہ راستوں پر چلا رہی تھی۔ میری قسمت بری تھی جو مجھے برے دوست ملے۔ بری صحبت ملی اور میں اس کو اچھا سمجھ کر چلتی رہی۔ رویے، رابطوں، ضابطوں میں توازن کیا جاتا ہے مجھے نہیں معلوم؟ اچھی لڑکی کے اوصاف کیا ہوتے ہیں‘ میں یہ بھی نہیں جانتی؟ ایک اچھا گھر کیسے تعمیر ہوتا ہے میں...... میں......“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

”میں واقعی بہت بری ہوں۔ عباد...... عباد مجھے معاف کردو۔ میں اچھی لڑکی بن جاؤں گی۔ مجھے چھوڑنا مت۔ پلیز مجھے طلاق مت دینا‘ مجھے معاف کردو۔“ اس نے بند بہتی آنکھوں کے سامنے یوں ہاتھ جوڑے گویا عباد سامنے کھڑا ہو۔

”شایان...... شایان...... فون ہے۔“ پیچھے سے آنی نے پکارا۔

”کہہ دیں ان سے شایان مرگئی ہے۔“ وہ جھٹکے سے مڑی۔ ”اور کہہ دیں انہیں آئندہ یہاں فون مت کریں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”شایان...... کیا ہوا بیٹا؟“ وہ سرعت سے آگے آ گئیں۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ شایان نے ہاتھ جھٹکا۔ ”جائیں یہاں سے‘ میں بری ہوں‘ بہت بری ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر۔“ ہاتھوں پر چہرہ گرالیا۔ آنی نے اسے دکھ سے دیکھا۔

”میں احمد صاحب کو فون کرتی ہوں کہ وہ آجائیں بی بی کی طبیعت خراب ہے۔ ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ عباد صاحب بھی انہیں یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ کوئی رابطہ نہیں کرتے‘ کتنے ہفتے ہوگئے ہیں۔“

”شایان۔“ آنٹی سارہ آگے بڑھیں اور اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ ”شام ڈھل رہی ہے بیٹا۔ اس سے دونوں وقت ملتے ہیں ایسے کیوں رو رہی ہو‘ کیا ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ بیٹا، میں تمہاری کچھ نہیں لگتی۔“ اپنے آنچل سے آنسو صاف کیے۔ ”بولو بیٹا!“ متورم چہرے کو دیکھا۔

”کچھ نہیں آنی۔“ شایان دھیرے سے کھڑی ہوگئی۔

شام کا ملگجا اندھیرا پھیلنے کو تھا۔ اس کے بعد رات کی سیاہی ہر سو تن جاتی۔ رات...... کالی رات، گناہ اور ثواب کی رات، شر انگیزی اور پرہیزگاری کے تعین کی رات۔ وقفے وقفے سے آنسو گر رہے تھے۔ تعلیم، تربیت، اخلاقیات کا توازن انسان کو کیا بنا دیتا ہے اور عدم توازن۔ اس نے منہ سے نکلتی سسکی دبائی۔ آنکھوں سے سوتے پھوٹ نکلے۔ وہ اندر بھاگی۔ دیوار سے ٹکرائی‘ لڑکھڑائی۔ سنبھلی اور اندر بڑھ گئی۔

”شایان...... شایان۔“ آنٹی پیچھے بھاگیں۔

”جانے کیا ہوگیا ہے روتی ہے تو روتی چلی جاتی ہے دن دیکھتی ہے نہ وقت......“

☆☆☆

”عباد فارغ ہو تو میری بات سننا۔“ زبیدہ بیگم نے عشا کی نماز کے بعد تسبیح پڑھتے ہوئے رخ پھیرا تو عباد کو گزرتے دیکھا۔

”جی......“ وہ گزر گیا تاہم چند لمحوں بعد کافی کا مگ لے کر آگیا۔

”جی......!“ وہ ان کے سامنے فلور کشن پر ریلیکس ہو کر بیٹھا۔ ہر سو اک گہری خاموشی تھی۔ زبیدہ رحمٰن مکمل یکسوئی کے لئے رات گئے عشا کی نماز پڑھتی تھیں۔ انہوں نے دعا مانگ کر آمین کہتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیرا اور اس پر پھونک ماری۔

”اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ میں نے تم سے اک بات کرنا تھی۔“ بغور اس کی جانب دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے بعد کہا اس نے مگ ہونٹوں سے لگا کر گھونٹ بھرا۔

”تم نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے عباد؟“ دھیرے سے کپ کے اوپر سے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا وہ پُرتفکر انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

”فی الحال کچھ نہیں، آفس کی جانب سے شاید میں فرانس چلا جاؤں وہاں ہماری فرم کی ایک شاخ بن رہی ہے۔ اچھے محنتی ورکرز کی ضرورت ہے، پہلے آپ کو اس لیے نہیں بتایا کہ کام ہو یا نہ ہو میں نے اپنا پاسپورٹ انہیں دے دیا ہے۔ انشا اللہ چند ہفتوں میں، میں چلا جاؤں گا وہاں سے واپسی پر دوسری شادی کا سوچوں گا۔“ زبیدہ رحمٰن ہکا بکا انداز میں اس کا دو سالہ پروگرام سن رہی تھیں۔

”اتنا بڑا فیصلہ کر کے تم اب بتا رہے ہو......!“

”مجھے تو یقین تھا کہ یہ نہیں ہوگا اب ہوگیا تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ مسکرایا۔

”اور شایان......؟“ تفکر سے اسے دیکھا۔

”جاتے ہوئے اسے طلاق دے کر جاؤں گا۔“ عباد اطمینان سے بولا۔

”عباد......!“ انہیں شاک لگا ”تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے سمجھے تم! وہ تمہاری بیوی ہے اتنے دن کی جدائی نے اسے عقل دے دی ہوگی۔“

”بے عقلوں کو کبھی عقل نہیں آسکتی، فضول ہے انتظار۔ میں فیصلہ کرچکا ہوں میرے دل میں اس کے لیے گنجائش نہیں۔ آپ میرے لیے لڑکی دیکھنا شروع کردیں، کسی کی یاد میں میرا بن باس لینے کا ارادہ نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ حتمی اور مضبوط تھا۔

”عباد تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، شایان سے رابطہ کرو۔“

”اِم پاسبل......!“ اس نے سر جھٹکا۔ ”آپ کیوں مجھے میری غلطی کا احساس دلا کر شرمندہ کرتی ہیں امی، وہ اس گھر کے قابل نہیں۔“

”یہ تم نے پہلے سوچنا تھا، اب اسے اس گھر کے قابل بنانا میرا فیصلہ ہے۔ تم اسے لے کر آؤ۔“ زبیدہ بیگم نے حکم دیا۔

”نو...... نیور!“ عباد یوں بدکا گویا بچھو دیکھ لیا ہو اور ایک دم سے کھڑا ہوا ”آئندہ ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔“ اسے راہِ فرار اختیار کرتے دیکھ کر وہ چپ کی چپ رہ گئیں۔

چند دن سے جانے کیوں انہیں شایان کا خیال آرہا تھا۔ دو دفعہ اسے خواب میں دیکھ چکی تھیں۔ بے برگ، بے آسرا، سرگرداں و پریشاں، کاسۂ دل لیے، دھیرے دھیرے تسبیح کے دانے گراتی وہ گہری سوچ میں گم ہونے لگیں۔

☆☆☆

شایان ٹیلی ویژن پر ڈاکومینٹری مووی بے دھیانی سے دیکھ رہی تھی، سوچیں اور خیالات منتشر ہی رہتے تھے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ جانتی تھی ”عباد اس سے نالاں، ناراض اور خفا تھا۔ پلٹ کر گیا تو کوئی رابطہ ہی نہیں کیا۔ تو تم نے کون سا ضابطے سنبھالے جو وہ رابطہ کرتا۔“ آنکھیں بھیگنے لگیں۔ محبت تو اس نے ختم ہی کردی ہے مگر رشتہ...... رشتہ ابھی سلامت ہے۔

”رشتے کو سلامت ہی رہنا چاہیے، میں اس رشتے کو ٹوٹنے نہیں دوں گی۔“ یک لخت ایک بار پھر بےچینیاں اور بےتابیاں اس پر حملہ آور ہوئیں۔

”میں...... میں عباد کو فون کرتی ہوں۔“ بے ساختہ ہی فون کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ تبھی بیل کی زوردار آواز سے لاؤنج گونج اٹھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ ”ہیلو...... ہیلو شایان کیسی ہو، کدھر ہو بھئی تم نے رابطہ ہی نہیں کیا۔“ زری تھی، اس کی پیشانی تن گئی۔

”مجھے اب کسی سے رابطہ نہیں کرنا اور نہ ہی تم آئندہ مجھے فون کرنا، مر چکی ہے شایان تمہارے لیے۔“ اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

”ارے بھئی! ایسا کیا ہو گیا کھیل میں تو یہ سب چلتا ہے نا، چلو غصہ تھوکو اب دیکھو ہم سب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔“

”مائی فٹ......! میں نے کہا نا۔“

”لو، شیراز سے بات کرو، ٹونی تمہارا پوچھ رہا ہے۔“ اس نے فون رکھ دیا۔

بے جا آزادی، اندھے اعتقاد اور ماڈرن ازم نے اسے جو نقصان پہنچایا تھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ فارم ہاؤس میں گزارے ہوئے ایک دن نے اس کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔ اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

”اُف......!“ اسے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ ”لعنت ہے میری زندگی پر۔“ ہوا کے دوش پر جملہ اس کے گرد رقص کرنے لگا۔ بے اختیار صوفے پر سمٹ کر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر اس نے سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ اس کے پاپا کی عزت، اس کا تقدس، عباد کی حرمت...... کس قدر کمتر ہے اس کی ذات۔

ٹونی کی مکروہ ہنسی اس کے گرد قہقہے لگانے لگی۔ کانچ کے بلوریں گلاس میں بھرا سرخ جام اس پر چھلکا۔

”تم...... تم مسلمان ہو؟“

”ثبوت دو، اپنے مسلمان ہونے کا؟ اگر مسلمان ہو تو اپنے گھر سے لاکھوں میل دور اس فارم ہاؤس میں کیا کر رہی ہو، غیر لڑکوں کی اس محفل میں؟“ کتنی آوارگی سے اس کے بالوں کو چھو کر اس کے رخسار پر چٹکی کاٹ کر اس نے خباثت سے کہا تھا۔

”زری...... زری۔“ وہ وحشت سے چیخی تھی۔

کھلکھلاتے ہوئے وہ ڈیپ ریڈ سلیولیس شرٹ اور ٹائٹ سے ٹراؤزر میں سامنے تھی۔

”کیا ہوا شینی۔“ وہ دل آویز انداز میں اس کی جانب بڑھی تھی۔

”یہ...... یہ اپنے کزن کو دیکھو، یہ کیا کر رہا ہے، کیا کرنے جا رہا ہے اور تم، تم کیا بنی ہوئی ہو۔ چلو، چلو واپس چلیں۔“ یکدم سے کھڑی ہوئی اس کے حواس باختہ ہونے لگے۔ وہ ماڈرن ضرور تھی مگر اتنی گری ہوئی نہیں تھی جتنا ڈی گریڈ یہ سمجھ رہی تھیں۔ زری، غزل، ملکہ۔ شہر سے دور فارم ہاؤس میں آنے کا پروگرام بھی ان کا ہی تھا اور وہ دوستوں کی خوشی، تھرل اور پکنک کے نام پر خوش ہو گئی تھی۔ پاپا کے ساتھ اکثر آتی رہتی تھی۔

پورے فارم ہاؤس میں چند ملازم ہی تھے۔ ٹونی جو زری کا بوائے فرینڈ تھا، شیراز غزل کا منگیتر تھا، ملکہ کا فرینڈ ابھی تک پہنچا نہیں تھا۔ ان سب نے مل کر شراب اور شباب کی محفل گرم کر رکھی تھی۔ تیز میوزک، اس میوزک پر زری اور غزل کا ناچنا تھرکنا...... وہ بھی گاہے بگاہے ان کا ساتھ دے رہی تھی مگر اندر سے یکدم ہی اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ بے چینی سے، کچھ عجیب سا فیل ہو رہا تھا۔

”آؤ نا۔“ ٹونی نے یکدم ہی اسے کھینچ کر اپنے مقابل کھڑا کیا تھا۔ ہم قدم، ہم رقص۔

”پلیز......“ اپنی کمر کے گرد لپٹے ہاتھ کو پیچھے کیا تھا۔

”یہ لو۔“ گلاس میں موجود سیال سی شے اس کے ہونٹوں سے لگا دی ”زندگی انجوائے کرنے کا نام ہے بنی!“ مکروہ ہنسی اس کے بے حد قریب تھی۔

”آخ تھو......“ اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔

”چھوڑو مجھے۔“ شایان تڑپ کر اس کے شکنجے سے نکلنے کے لیے مچلی۔ ٹونی کی گرفت اور مضبوط ہوئی، جھٹکے سے سر اونچا کیا۔ خباثت اور کمینگی محوِ رقص تھی اس کے چہرے پر۔

”زری، زری۔“ وہ وحشت زدہ ہرنی کے مانند بدکی تھی۔

”چھوڑو مجھے، چھوڑو!“ اس کے چہرے پر مکروہ ہنسی تھی۔

”چھوڑنے کے لیے تو اتنا سفر طے نہیں کیا میری جان۔“ وہ اس پر حاوی ہونے لگا۔

”زری، زری۔“ تیز میوزک، وہ دونوں جانے کہاں تھیں اور ٹونی اس پر جھکتا جا رہا تھا۔ پوری طاقت لگا کر وہ اس کے بازو پر کاٹ کر اس کی گرفت سے نکلی۔

”زری، ملکہ۔“ میوزک بند کر کے وہ چیخی۔

”کیا ہوا، کیا ہوا۔“ وہ بھاگی چلی آئیں۔

”یہ...... یہ تمہارا...... کزن، کتنی!“ وہ حواس باختہ ہوئی۔

”ہا...... ہا...... ہا۔“ ٹونی اس کے قریب آیا۔

”کیا...... کیا ہے میں نے اور کیا کرنا چاہتا تھا۔“ اس کے رخسار پر چٹکی کاٹی۔

”ٹونی کو تمہاری کمپنی پسند ہے شینی، دے دو ذرا۔“ زری نے آنکھ دبا کر اسے دیکھا، وہ بدک کر پیچھے ہوئی۔

”کیا...... کیا، کیا بکواس ہے یہ۔ چلو واپس چلو۔“ اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔

”شینی، شینی کیا ہوا ہے تمہیں، یہ سب تو عام سی بات ہے، آپس کے تعلقات میں ہوتا ہی ہے شایان یہ کیا ہوا اگر ٹونی نے......“

”بند کرو اپنی بکواس!“ وہ دہاڑی۔

”تم بھی تو عباد سے طلاق لے رہی ہو، بہت اچھا ہے ٹونی۔“

”زری! کیا خرافات ہے یہ، کیا بکواس ہے، ہم یہاں پکنک منانے آئے تھے، گند، غلاظت کے لیے نہیں۔ میں شادی شدہ ہوں، مسلمان ہوں، کس نے کہا ہے تم سے کہ میں طلاق لے رہی ہوں۔“ وہ پھٹ پڑی تھی۔

”اچھا......“ زری کی ہنسی نے اسے دم بخود کر دیا۔

”تم مسلمان ہو؟“ ٹونی نے اسے چھوا۔

”یہ لباس، یہ حرکتیں، کھلی آزادی...... ثبوت دو مسلمان ہونے کا۔“ ٹونی نے طنز سے اس کے وجود پر نگاہ کی۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے صوفے پر گری۔

”زری......“ وہ زور سے چیخی۔

”پلیز ٹونی! ہٹو مت ڈراؤ اسے، یہ کسی اور نیچر کی ہے۔“ زری نے لاڈ سے اسے کھینچ کر اپنے پیچھے کیا تھا اور شایان کے تن من میں ننھے ننھے کیڑے رینگنے لگے، اس کا ذہن شاک میں تھا۔

”وہ مسلمان ہے تو...... یہ......“ اپنے لباس کی جانب نگاہ کی جسم کے تمام خطوط کو نمایاں کرتا فٹنگ والا لباس...... دوپٹا...... ”وہ مسلمان تھی۔ اگر تھی تو اس کی حیا، اس کا تقدس، اس کی حرمت کہاں تھی۔ جس کی بیوی تھی اس کے پاس کیوں نہیں تھی۔ جس کی بیٹی تھی اس کی عزت کیوں نہیں تھی۔“

”شایان، مائنڈ مت کرنا، ٹونی کی عادت ہے یونہی دوسروں کو خوفزدہ کر کے مذاق کرنے کی۔ بی ایزی، چلو انجوائے کریں۔“ زری نے باہر جاتے ٹونی اور ملکہ کو ملامت سے دیکھا۔

”زری......!“ وہ سخت خوفزدہ تھی۔ ”چلو واپس......“

”ارے اتنی جلدی، ابھی تو دوپہر ہے، شام ڈھلے نکلیں گے، تم ڈر گئیں۔“

”نہیں......“ وہ کھڑی ہوئی، اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

آگہی کا اک لمحہ...... ایقان کا اک پل انسان کو بدلنے کے لیے کافی ہے اور وہ اک پل میں بدل گئی تھی، سرتاپا۔ اسے عباد یاد آ رہا تھا، اس نے کیا، کیا اس کے ساتھ، وہ ناراض ہے اسے منا لے گی، مسلمان ہونے کا ثبوت دے گی۔ فون اک بار پھر بجا۔ سوچوں کے سمندر سے تڑپ کر سر اٹھایا۔

”ہیلو!“

”ہیلو...... شایان میں زری، کیا ہوا، فون کیوں رکھا بھئی، غصہ تھوکو اور ناراضی ختم کرو۔ ہم سب تمہاری طرف آ رہے ہیں، ٹونی شرمندہ ہے۔“ اس نے فون رکھ دیا۔ لائن کاٹ دی۔ بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا، کتنے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔ تنہائی، اکیلا پن اور اداسی ایک ساتھ اس کے قریب آ گئے۔

☆☆☆

”بیٹا بولا کرو شایان، کتنے دن ہو گئے تم گھر سے باہر نہیں گئیں، اپنی سہیلیوں کو گھر بلا لو۔ یوں زندگی کیسے گزرے گی، عباد کو فون کرو، جو ناراضی ہے اسے دور کرو، بیٹا شوہر ہے تمہارا، میاں بیوی کا رشتہ بیک وقت نازک

بھی ہوتا ہے اور مضبوط بھی۔ ناراضیاں تو ہر رشتے میں ہوتی ہیں، اسے فون کرو، آجائے گا۔'' آنٹی سارہ اس کے سر میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیر رہی تھیں، ساتھ ساتھ اسے سمجھا رہی تھیں۔ ایک دم سے وہ بدلی تھی، ان کا چونکنا کا بھی لازمی تھا، وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

''تمہارے پاپا کا فون آیا تھا، اگلے ماہ آرہے ہیں یہاں بچوں کے ساتھ ان کا ارادہ اب ادھر ہی رہنے کا ہے۔ تمہارا پوچھ رہے تھے، میں نے کہا تھا ادھر ہی ہے، عباد کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔'' آنٹی سارہ مسلسل بول رہی تھیں، اطلاعات بہم پہنچا رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی، بکھرے بال شانوں کے گرد پھیل گئے۔

''نہ کچھ کھاتی ہو نہ بولتی ہو، کیا ہوا ہے تمہیں، مجھے بتاؤ میں ہوں نہ تمہارے ساتھ۔'' ایک دم سے انہیں شایان سے ہمدردی ہونے لگی۔

''آنی......'' گھٹنوں پر چہرہ ٹکایا۔

''بولو بیٹا!'' انہوں نے پیار سے پکارا۔

''اچھی لڑکی کون ہوتی ہے؟'' آنکھوں کی سطح بھیگی بلکہ اب بھیگی ہی رہتی تھی، عظیم نقصان...... کچھ کھونے کا احساس اردگرد رہتا تھا۔

''شایان...... شایان اچھی لڑکی ہے، اتنی پیاری شکل کی۔'' اس کا چہرہ تھاما۔

''نہیں آنی، اچھی لڑکی!'' وہ اپنا مطلب سمجھا نہ پائی۔

''کہا نہ، تم...... تم سے اچھا، پیارا، نیک کوئی ہو سکتا ہے۔'' وہ اس کا مانند جان نہیں پائی تھیں۔

''نیک......'' وہ چونکی۔ ''نیک لڑکی کون ہوتی ہے؟''

''یہ کیا تم بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو بیٹا، خود کو سنبھالو، لاؤ میں فون کروں عباد کو...... تمہیں آ کر لے جائے، جو ناراضی ہے دور کرو تم لوگ، لڑکیاں اپنے گھر میں اچھی لگتی ہیں۔'' محبت سے ہاتھ تھام کر پیار سے رخسار چھوا۔

''عباد نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم نے اتنا اثر...... لے لیا، جانتی ہو پورے دس دن اسپتال میں رہ کر آئی ہو، شکل دیکھو کیا ہوگئی ہے، ہر وقت گم صم رہتی ہو، اسے بلواؤں میں......؟''

''وہ نہیں آئیں گے۔'' پاؤں کی انگلی زور سے مسلی۔

''کیوں......'' آنٹی سارہ نے تیکھے ابرو سے دیکھا۔

''میں اچھی لڑکی نہیں ہوں نا!'' آنکھوں سے گریباں تک آنسوؤں سے مالا پرو لی۔

''ہائیں، یہ تم سے عباد نے کہا......؟''

''نہیں۔'' وہ سسکی، دکھ چھپا لیا، پردہ رکھ لیا۔ ''مجھے معلوم ہے، اچھی لڑکیاں گھر برباد نہیں کرتیں، زبان درازی، چرب زبانی نہیں کرتیں، دلوں کو نہیں توڑتیں، شر نہیں پھیلاتیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی ''جھوٹ نہیں بولتیں، فتنہ فساد کی جڑ نہیں ہوتیں، کینہ پرور، حاسد اور منافق نہیں ہوتیں، جھگڑالو اور غیبت زدہ نہیں ہوتیں اور میں'' وہ بھل بھل رو رہی تھی۔ وہ بولتی چلی گئی، غبار نکلتا چلا گیا۔ سسکیاں آہیں، آنسو ساتھ ساتھ محو احساس تھے۔

''میں بری ہوں، بہت بری، بہت بری...... عباد مجھ سے نفرت کرتے ہیں، نفرت، شدید نفرت۔'' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس کا دل پھٹ رہا تھا اور آنٹی سارہ گم صم، چپ اس کی شکل دیکھے جا رہی تھیں۔

''میں مسلمان ہوں نہ ہندو، نہ انگریز۔'' بے ساختہ وہ آگے بڑھیں اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ ننھی بچی کی طرح ان کے وجود میں سمٹ کر سسکیاں لینے لگی۔

☆☆☆

کتنا بھرپور اور مکمل منظر تھا۔ کھانے کی ٹیبل سجی ہوئی تھی، بڑی بھابی اویس بھائی کو کھانا دے کر بچوں کو سرو کر رہی تھیں۔ راحمہ بھابی نوین کے منہ میں لقمہ ڈال کر دوسرے ہاتھ سے نبیل کو پانی دے رہی تھیں، ندا اور فہد کسی بات پر مسکرا رہے تھے، رعنا بھابی ذمے داری سے کبھی ساس اور کبھی سسر کو بھی پوچھ رہی تھیں۔

عباد کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ کتنی نامکمل اور تشنہ تھی اس کی ذات، کیا نہیں دیا شایان کو مگر اس نے کبھی اسے گھر کا مکمل سکھ نہیں دیا، کبھی چائے نہیں پکڑائی، کبھی......!

''عباد ایسے ہی بیٹھے ہوئے ہو تم، کیا لو گے؟'' رعنا

بھابی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''یہ کباب اور پلاؤ ڈال دیں۔'' اس نے اپنی خالی پلیٹ ان کی جانب بڑھائی۔ زبیدہ رحمٰن گاہے بگاہے اس کا جائزہ لے رہی تھیں، توجہ کے تمام راستوں پر وہی تھا۔ اس کا اکیلا پن، خالی انداز، آنکھوں میں چھپی محرومی اور حساسیت، کچھ بھی تو ان سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

''زندگی ایسے کیسے گزرے گی، اب کوئی حتمی فیصلہ ہونا چاہیے۔'' اس اثنا کر انہوں نے عباد کو دیکھا جو بسورتے ہوئے بھتیجے کو گود میں اٹھائے ہوئے اسے پچکار رہا تھا، بہلا پھسلا رہا تھا، آئسکریم کھلانے کا لالچ دے کر نوالے منہ میں ڈالنے لگا اور وہ بھی چاچو کی گود میں، ذرا ذرا کھانے لگا۔ کھانے پر سے عباد کی توجہ ہٹ گئی، اس کی پلیٹ جوں کی توں رکھی رہ گئی، کچھ دیر بعد وہ اٹھ گیا۔ اداسی زبیدہ رحمٰن کے اندر تک بھر گئی۔ ان کے سارے بچوں کی کیسی...... بھرپور اور مکمل زندگی تھی اور وہ...... کمرے میں آ کر انہوں نے رحمٰن صاحب کو دیکھا۔

''آپ نے عباد کو دیکھا، اسے سمجھایا نہیں کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟''

''بھئی زندگی اس کی ہے وہ بہتر فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔''

''کیسا فیصلہ اس نے کیا ہے، اکیلا، اداس ہے وہ، کچھ سوچیں اس کے لیے۔''

''کیا......؟'' اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر انہوں نے زوجہ کو دیکھا۔

''اسے سمجھائیں، بیوی کو لے کر آئے۔'' زبیدہ بیگم نے نگاہ چرالی۔

''اب اگر وہ لانا نہ چاہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔'' اس وقت رعنا قہوہ لے کر آگئیں، انہوں نے گفتگو کا آخری جملہ سن لیا۔

''میرا خیال ہے امی! اس کی شادی کر دینی چاہیے دوسری۔''

''ہیں......!'' زبیدہ رحمٰن تو اچھل پڑیں ''دماغ ٹھیک ہے تمہارا!''

''جب امی عباد رکھنا ہی نہیں چاہتا اور نہ وہ بسنا چاہتی ہے تو اس کا حل تو یہی ہے نا!''

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے بڑی بہو مگر اس بارے میں بھی فیصلہ عباد ہی کرے گا۔''

''ضروری نہیں کہ فیصلہ دوسری شادی کا ہی ہو، دونوں کو بٹھا کر سمجھایا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ شایان کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہو۔''

''ہونہہ......'' طنز سے سر جھٹکا۔ ''ویسے امی عباد کا فیصلہ سراسر غلط اور جذباتی تھا کیا ملا اسے اس شادی سے، گھر کا ماحول الگ خراب ہوا اور آپ نے اگر اسے لانا ہے تو کم سے کم میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔'' رعنا نے اپنا مطلب نکالنا تھا، اپنا سر اپنی انا اونچی ہی رکھی تھی۔ زبیدہ انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔ ایک اور خرابہ۔

''دیکھو بیٹا' ہمارے خاندان میں کبھی کسی کی طلاق نہیں ہوئی اور نہ دوسری شادی ہوئی ہے اور نہ میں چاہتی ہوں کہ یہ برا کام میرے گھر میں ہو، افہام سے اس مسئلے کو سلجھا لینا ہی بہتر ہے، طلاق خدا کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ عمل ہے۔''

''اور عباد...... عباد کیا چاہتا ہے؟'' اک بار پھر عباد رعنا کو اپنے ہاتھ سے نکلتا ہوا محسوس ہوا۔

''اسے بلاؤ' ابھی پوچھ لیتے ہیں۔'' رحمٰن صاحب بھی اس مسئلے کو سلجھا لینا چاہتے تھے اور الجھنوں کو سلجھنا ہی چاہیے۔

''ابھی باہر نکلا ہے۔'' رعنا بیگم کے دل کو بے چینی لگ گئی۔ پہلے وہ عباد سے بات کر لیں اس کے بعد امی ابو کو کرنی چاہیے۔ اس رشتے کو ختم ہو جانا چاہیے۔ تنفر سے شایان کے بارے میں سوچا۔

''شایان کے اندر تو صلاحیت ہی نہیں ہے گھر بسانے اور شوہر کو سنبھالنے کی، وہ تو کسی اور نسل کی لڑکی ہے۔ شر انگیز اور جھگڑالو۔ گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا، اس کے آنے سے اور بھی فتنے پیدا ہوں گے۔'' رعنا کا ووٹ بھرپور مخالفت لیے ہوئے تھا۔

''اور امی اسے گھر لانے کا مقصد ان تمام جھگڑوں کو پھر سے اٹھانا ہے جو اس کی غیر موجودگی میں ہو چکے ہیں۔ الگ گھر عباد نہیں لے گا، ٹل کر بیٹھنے کی صلاحیت اس لڑکی

میں نہیں اور آپ چاہ رہی ہیں کہ یہ بیل منڈھے چڑھے۔'' رعنا بیگم نے خالی کپ ٹرے میں رکھے۔ بڑی بہو کے ناتے زبیدہ رحمٰن ان سے مشورے کرتی تھیں، آج وہ مشورہ دے رہی تھیں اور خوب دے رہی تھیں، بھرپور مخالفت کے ساتھ۔ کینہ پروری ان کے اندر بھی پیدا ہوگئی تھی۔ کیا ہے اگر ذرا سی کوشش سے ان کی بہن کا نصیب کھل جائے۔ شادی شدہ ہے تو کیا ہوا...... کون سا بچے ہیں عباد کے۔ دزدیدہ نگاہ ساس پر ڈالی۔ رحمٰن صاحب اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھے دھیرے دھیرے ہلتے گہری سوچ میں تھے۔

زبیدہ رحمٰن پاندان کھول رہی تھیں، فکر کے پر وا کر کے رعنا نے ان کی جانب تفکر کے پرندے رواں کر دیئے تھے۔

''سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجیے گا امی ابو۔'' وہ ٹرے لے کر کھڑی ہوگئیں ''ہمارے گھر کا ماحول اور اس کے انداز سب آپ کے سامنے ہیں، عباد نے تو غلطی کی سو کی، ہمیں کوئی اور غلطی نہیں کرنی چاہیے۔'' اک نگاہ ان پر ڈال کر وہ باہر نکل گئیں۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ایک دوسرے کی جانب دیکھنے سے گریزاں تھے۔

☆☆☆

عباد سے بات کرنے کے لیے رات گئے تک رعنا لاؤنج میں بیٹھیں، ساڑھے بارہ بجے وہ آیا۔

''ارے آپ جاگ رہی ہیں؟'' عباد حیران ہوا۔

''ہاں تم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا، صبح' آفس شام میں غائب۔''

''ایسی کون سی بات ہے جو بہت ضروری ہے۔'' ہلکے پھلکے سے انداز میں کہتا وہ صوفے پر بیٹھا۔ ٹیلی ویژن آن کیا اور ریموٹ ہاتھ میں تھام لیا۔

''امی تمہاری بیوی کو گھر لانا چاہ رہی ہیں۔'' واشگاف انداز میں اس کے تاثرات جاننے کے لیے جملہ پھینکا۔

''کیوں......''

''یہ تم امی سے پوچھو!'' رعنا بیگم نے جواب دیا۔

''میں امی کو منع کر چکا ہوں کہ وہ اس گھر میں نہیں آئے گی پھر کیوں......''

''یہ بات میں امی کو سمجھا رہی ہوں مگر وہ بضد ہیں، تم خود ہی جلد کوئی فیصلہ کرلو۔ ویسے بھی وہ اس قابل نہیں کہ یہاں آئے۔'' عباد کے جواب اور مشتعل انداز نے انہیں بہت سکون دیا۔

''وہ میری زندگی سے نکل گئی ہے بس واجبی سا تعلق ہے وہ کسی بھی لمحے ٹوٹ جائے گا۔'' وہ ریموٹ سے چینل سرچنگ کرنے لگا، اس کے چہرے پر تناؤ تھا۔ رعنا کا دل بلیوں اچھلنے لگا، من چاہی مراد پوری ہونے لگی عباد کو مٹھی میں کرنا چاہیے۔

''توڑ دو پھر تمہیں ڈر کیسا اور کتنی خاندان کی بے عزتی اور جگ ہنسائی سہو گے۔'' ساتھ ہی جھک کر کارپٹ سے اپنی گرائی ہوئی انگوٹھی اٹھانے لگیں۔ عباد نے چونک کر انہیں دیکھا۔ (یہ اتنا آسان تھا کیا)

''اور آئندہ سوچ سمجھ کر چلنا، گھر والوں کے فیصلے برے نہیں ہوتے، سوچ بچار، باہمی رضامندی' پسندیدگی اور دعاؤں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ تم پہلے دھوکا کھا چکے...... ان جیسی لڑکیاں محض وقت گزاری کے لیے ہوتی ہیں، باہر باہر کی دوستی جتنی چاہے محبت کرو، لونگ ڈرائیو پر جاؤ مگر شادی کے لیے خاندانی' پڑھی لکھی، باشعور لڑکی کا انتخاب کرو، ایک گھر کی نہیں، اک نسل کی ذمے داری اس پر ہوتی ہے، تمہاری وہ...... تمہاری ذمے داری نہیں اٹھا سکی تو باقی ماندہ زندگی......'' عباد اک ٹک ان کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اور رعنا گرم لوہے پر خوب چوٹ لگا رہی تھیں۔

''سچ بتاؤ اس نے کبھی تمہیں کھانے کا پوچھا، صبح کبھی ناشتا دیا، کبھی تمہیں کھانا سرو کیا، ٹیبل پر...... وہ تو خود پرست اور خود پسند ہے، عباد مجھے تو حیرت ہوتی ہے تم نے کیا دیکھ کر پسند کیا۔ فتنہ فساد کروالو، شر پھیلوالو۔ ہونہہ!'' رعنا بیگم نے سر جھٹکا۔

عباد کھلی آنکھوں سے آئینہ دیکھ رہا تھا۔ کہہ تو وہ سچ رہی تھیں۔ لفظ بہ لفظ...... کیا دیا تھا اس نے۔

''خیر عباد...... وقت ابھی بھی نہیں گزرا اور نہ تمہاری عمر گزری ہے۔ اب انتخاب میرا ہوگا' سمجھے تم۔'' وہ کھڑی ہوگئیں ''کھانا کھاؤ گے یا چائے۔'' وہ خیال و دھیان کے راستوں سے گزر رہی تھیں۔

''کچھ نہیں!'' اسکرین کی جانب رخ کیا ''رات بہت ہوگئی ہے اب سوؤں گا، صبح آفس جانا ہے۔'' اک نگاہ عباد پر ڈال کر رعنا باہر نکل گئیں، جانے کیوں انہیں یقین تھا کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا انہیں فاریہ کا مستقبل روشن نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆

عباد اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا، سامنے ہی دیوار پر ڈریسنگ ٹیبل کے برابر میں ان دونوں کے ولیمے کی فل سائز شاندار سی تصویر لگی تھی جو نہ چاہتے ہوئے بھی روزانہ اپنے ہونے کا احساس دلاتی تھی۔ وہ اس تصویر کے سامنے کھڑا ہوگیا، احساسِ محرومی سر اٹھانے لگا۔ سی گرین اور رائل بلو امتزاج کا عریک شرارہ میچنگ جیولری، سی گرین' سنہرا سنہرا میک اپ، ہاتھوں میں بھر بھری چوڑیاں' جھکا جھکا شرمیلا سا انداز۔ اس کے ساتھ بیٹھا ذرا سا اس کی جانب جھکا عباد چہرے پر شوخ سی چمک، آنکھوں میں محبت کو پا لینے کا خمار...... تمام تصویروں میں یہ تصویر اسے بہت اچھی لگی تھی۔ فوراً ہی ان لارج کروا کر یہاں لگوائی تھی۔ کیسے نرم گرم، شوخ، شریر، محبتوں بھرے دن تھے۔

''محبت......'' اس کی آنکھوں کی سطح نم ہوئی ''محبت تو صرف مجھے تھی تم نے تو کی ہی نہیں ظالم لڑکی، تم...... تم...... تو۔'' سارے منظر نظروں کے سامنے سے گزرنے لگے، اس کے وجود سے اترتے نقاب، غصیلا انداز، کینہ اور بغض۔ ''جانے تمہارے اندر اتنا تنفر اور کینہ کہاں سے بھر آیا کبھی مجھے نظر نہیں آیا جو میں دھوکا کھا گیا'' عباد پلٹا اور دریچے کے پردے ہٹا کر کھڑا ہوا۔ رات دھیرے دھیرے گہری ہو رہی تھی۔

''بعض اوقات محبت کے نام پر ہم کس طور لٹ جاتے ہیں، جذباتیت ہمیں کتنا نقصان پہنچا دیتی ہے۔ محبت بھی کیا چیز ہے۔ اس نے میرے کہنے پر پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ نہ ادھر فون کیا، ڈیڑھ دو ماہ کم نہیں ہوتے میاں بیوی کی جدائی میں۔ اسے میری پروا ہی نہیں۔ پروا ہوتی تو سیل فون اس کے پاس بھی تھا۔ میں کیا کچھ نہیں کہہ آیا تھا۔ باز پرس تو کرتی۔ گویا وہ بھی ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ تو......'' وہ دھیرے سے پلٹا اور چند قدم چل کر بالکونی میں نکل آیا۔

''محبت کھیل تھی۔'' دونوں ہاتھ ریلنگ پر ٹکا کر باہر دیکھنے لگا۔ بہتی رات کا سکوت، خاموش ہوا، ہر سو اک جامد گہرا سناٹا۔

''تو...... محبت کھیل تھی اور کھیل کا اختتام ہو ہی جاتا ہے وقت کے سمندر پر اس کھیل میں کون ہارا...... فتح و شکست میں سے کس کا حصہ کس کو آیا۔ کون ہارا...... کون جیتا۔'' اپنے ہاتھوں کو گھنے بالوں میں پھیرتے ہوئے ہاتھ گردن پر رکھ لیے۔ گہرا سانس سینے کی سرحدوں سے اٹھا اور ہونٹوں پر آ کر دم توڑ گیا۔

''یعنی جو کچھ میں نے کہا اس کو سننے میں تم حق بجانب تھیں اور تمہارا فیصلہ بھی وہی ہے جو وقت کی بساط پر تقدیر مجھ سے لکھوانے جا رہی ہے۔'' گردن سے ہاتھ اٹھا کر پھر سے گرل پر رکھ لیے، بے چینی، اضطراب اس کے روم روم میں سرائیت کرتا چلا گیا۔ دل شکستگی، دل آزاری کی اک اور شب اس کے ہمراہ تھی۔

☆☆☆

زبیدہ رحمٰن اس کے کمرے میں آ گئیں۔ وہ جوکشن میں منہ چھپائے چھٹی کے دن سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، آہٹ پر چونکا اور ماں کو دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔

''سو تو نہیں رہے تھے۔'' اس کے سامنے بیٹھیں۔

''نہیں، سوچ رہا تھا باہر کا چکر لگا لوں، کچھ ضروری چیزیں لانی ہیں۔'' اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر الجھے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔

''تمہارے جانے کا کیا ہوا؟'' عباد چونک کر ماں کو دیکھنے لگا۔

''کام ہو گیا ہے میرا، پاسپورٹ ہاتھ میں آئے تو سیٹ کنفرم ہو جائے گی، میرا خیال ہے اگلے ہفتے کی کوئی سیٹ ہو گی۔''

''کتنے عرصے کا کورس ہے؟''

''میرا خیال ہے ایک ڈیڑھ سال کا۔''

''عباد، تم نے اپنی زندگی کے متعلق کیا سوچا ہے؟''

''جو سوچنا تھا سوچ لیا، کرلیا، بھگت لیا اب تو بس

زندگی گزر رہی ہے، غمِ روزگار اور غمِ زندگی کے ساتھ......" اس کا دھیما سا انداز۔

"اور شایان...... اس کے متعلق کیا سوچا ہے؟"

"وہ میری زندگی کا تلخ باب تھا جو میں نے کتابِ زندگی سے پھاڑ دیا ہے۔" وہ سنجیدہ تھا "اور بات جب رسوائی، بدنامی کی ہو تو پھر ان راستوں پر نہیں جانا چاہیے، میں پھپھو، بھابی اور نائلہ سے شرمندہ ہوں امی، وہ اس گھر میں نہیں رہ سکتی، جاتے جاتے میں اسے پروانہ آزادی تھما کر جاؤں گا، چکھ لے آزادی کا مزہ۔" اس کے چہرے پر بھرپور نفرت تھی "اور نہ وہ رہنا چاہتی ہے میرے ساتھ اس گھر میں۔"

"تو تمہیں کہا ہے نا کہ اسے الگ گھر......"

"نہیں......" اس کا لہجہ تڑخ گیا "کیوں، کس لیے، کس بات کی کمی ہے یہاں، کون زیادتی کر رہا ہے۔ کس چیز کی روک ٹوک ہے اسے قبلے کی درستگی کی ضرورت ہے، آئینہ میں اسے دکھا آیا ہوں، خود سے یہاں آنے کی جرأت نہیں کرے گی۔" اس کے وجود میں غصہ بھر رہا تھا۔ محبت دکھ بن جائے تو انسان ایسے ہی زودرنج ہو جاتا ہے۔

"عباد......" کافی دیر اس کو سن کر خاموش رہنے کے بعد زبیدہ رحمٰن نے سر اٹھایا "میری ایک بات مانو گے!"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر امی۔"

"اپنی بیوی کو لے آؤ۔"

"جی......" اس کے چودہ طبق ایک ساتھ روشن ہوئے "یہ آپ کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں، جب میں چاہتی نہیں تھی تو تم نے اس کے حق میں دلائل دے کر مجھے قائل کر لیا۔ وہ اکیلی، تنہا ہے، اس کی ذات میں بے حد خامیاں ہیں، وہ دل کی بری نہیں ہے مجھے یقین ہے آپ کو پسند آئے گی، آپ ملیں، دیکھیں، وغیرہ وغیرہ......"

"تو میں نے غلط کہا تھا امی۔" عباد نے شرمندگی سے انہیں دیکھا۔

"انسان کی ذات میں خامیاں ہوں اور اسے کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو سامنے والے کی اچھائی دیکھ کر انسان کو اپنا آپ بدل لینا چاہیے، ناپسندیدگی کے باوجود اس گھر کے لوگوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا، کمپنی دی مگر اس نے کیا کیا، انسان کا جیسا خمیر ہوتا ہے وہ ویسی ہی حرکتیں کرتا ہے، کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔" عباد نے سر جھکا، اس کے دلی تاثرات سن بھی رہی تھیں اور پڑھ بھی رہی تھیں چہرے پر۔

"میں نے ہر موڑ پر اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں۔ آپ الگ گھر کی بات کر رہی ہیں جس سے ایک کمرا، ایک ہمارا یہ بیڈ روم نہیں سنبھالا گیا وہ ایک گھر سنبھال سکتی ہے، کتنی صلاحیت ہے اس کے اندر آپ کو تو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اس کے باوجود آپ کہہ رہی ہیں کہ اسے گھر لے آؤں۔"

"ہاں، میں کہہ رہی ہوں، اسے گھر لے آؤ، اسے کسی نے سمجھا اور نہ سمجھایا، تم نے بھی نہیں......"

"جی......" عباد غائب دماغی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"اس کی شخصیت کے شجر کو تربیت کے پانی اور توازن کے دھیان کی ضرورت ہے عباد، وہ بری نہیں ہے، اس کے اندر کی برائیاں بری ہیں اسے پالش کی ضرورت ہے، تم کہتے تھے نا امی اسے آپ سمجھائیں تو اب میں اسے سمجھانا نہیں سکھانا چاہتی ہوں۔ گھرداری، اپنا پن، ذہنی ہم آہنگی اور زندگی کو برتنے کے طور طریقے، اصول و ضوابط اور شعارِ زندگی......"

"امی......" عباد نے تحیر سے انہیں دیکھا۔

"اس کے باوجود کے اس نے خاندان بھر میں..."

"ہاں اس کے باوجود، یقین کرو وہ میرے دل سے محو نہیں ہوتی، بھولتی نہیں، روزانہ خواب میں آتی ہے، چپ، اداس، بیمار، کمزور، میری طرف دیکھتی۔ میں جانتی ہوں اس کی تمہارے دل میں جگہ نہیں، اس کے باوجود عباد میں اسے تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، ایک اچھی عورت کے روپ میں...... میں بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اسے بدل دوں گی۔"

"امپاسبل وہ ایک ضدی، خودسر، تند اور شاطر لڑکی جس کے خمیر میں توازن ہے ہی نہیں اور جو اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہو وہ کبھی نہیں بدل سکتی اور ویسے بھی وہ میرے دل سے اتر چکی ہے اس گھر کا کوئی فرد اسے پسند نہیں کرتا تو اس قصے کو ختم ہی ہونے دیں۔" اس کا حتمی انداز تھا۔

"ہاں، اس سب کے باوجود کہ گھر میں اس کا نام سننا کوئی پسند نہیں کرتا اسے گھر لے آؤ، میری خاطر عباد......"

"امی!" وہ زچ ہو گیا "دہکتی ہوئی آگ سرد پڑ رہی ہے اسے بجھ جانے دیں، اسے تو کوئی فرق ہی نہیں پڑے گا کیونکہ وہ چاہتی بھی یہی ہے۔" بیڈ سے اتر گیا۔

"بازار چلنا ہے آپ نے، میں جا رہا ہوں۔" عباد نے بات ختم کرنی چاہی۔

"تم نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا۔"

"امی غور و خوض کی ضرورت ہی نہیں، اس سوراخ میں ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے جہاں سے ایک دفعہ سانپ نے ڈس لیا ہو جب میں راستہ بدل رہا ہوں تو پھر کسی کو کیا اعتراض ہے؟"

"تم ویسے بھی باہر جا رہے ہو، کچھ عرصے کے لیے ہی سہی۔ اسے میرے پاس چھوڑ جاؤ میری تسلی کے لیے۔"

"امی......" وہ زچ ہونے لگا "وہ خود آنا ہی نہ چاہے تو۔"

"اسے جا کر لے آؤ۔" ان کی نرالی منطق تھی۔ اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ اسے امی کی ضد سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہاں تو لاتعلق تھیں اور اب کہاں، وہ تعلق جوڑنے کی انتہا کر رہی تھیں۔ کیوں وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"امی......" کھڑے ہو کر ان کی جانب رخ کیا، اس کے عقب میں دیوار میں لگی ان کی لارج تصویر میں شایان کا روپ نمایاں ہو رہا تھا۔

"آپ کیوں چاہ رہی ہیں کہ......؟"

"عباد......" انہوں نے بات کاٹ دی "تمہیں میرے چاہنے کی پروا ہے کہ میں کیوں چاہ رہی ہوں، جاؤ جو دل چاہے کرو۔" خفگی سے اسے دیکھتی ناراضی سے اٹھ کر چلی گئیں۔ عباد کھڑا کا کھڑا انہیں دیکھتا رہ گیا۔

اس وقت وہ دو متضاد خیالات کا شکار ہونے لگا اس کا ارادہ قطعاً بھی شایان کو گھر لانے، اسے بسانے اور اس سے محبت کرنے کا نہیں تھا، ایک دم ہی وہ شایان سے بددل ہو گیا تھا۔ محبت کے اظہار پر محبت نہ ملے تو محبت ختم بھی ہو جاتی ہے، شایان نے اس سے محبت نہیں کی تھی، شادی کی تھی، شادی تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے، محبت نصیب سے ہوتی ہے پھر محبت کے بغیر جی لینے کا کیا فائدہ۔ کر لینے دو من مانی مگر...... منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رخ پھیرا، سامنے ہی پری پیکر تھی۔

"تم اسے لے آؤ میری خاطر......" پیچھے امی کھڑی تھیں۔

"امی جب میں ہی اسے بسانا نہیں چاہ رہا تو......"

وہ بے اختیار پلٹا، کمرا خالی تھا۔

"اُف......" وہ دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔ امی کی ناراضی، گھر والوں کا رویّہ، خاندان والوں کی ناپسندیدگی اور اس کا دل۔ اس چپقلش میں وہ الجھ رہا تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اپنے آپ سے الجھتا وہ باتھ روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

سارا دن وہ جل بن مچھلی کی طرح پورے محل جیسے گھر میں بولائی بولائی پھرتی، ایک خوف دامن گھیر رہتا۔ آہٹ، ایک دھڑکا، ڈور بیل کی آواز، فون بیل، اسے ڈراتی رہتی اب...... کہ اب عباد کی طرف سے ملا پروانہ آزادی آئی رجسٹری، آیا فون۔ یہ احساس ہی سوہانِ روح تھا کہ عباد اسے چھوڑ سکتا ہے، روح ایک اذیتِ مسلسل میں رہنے لگی تھی۔ اتنا حوصلہ ہی نہیں تھا کہ گھر فون کر لیتی کس سے بات کرتی، امی، بھابی، ندا بھابی کون اس کا ساتھ دیتا۔ کون عباد کو سمجھاتا۔ اس نے کسی کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا۔ سب دل سے چاہتے ہوں گے اس سے چھٹکارہ مل جائے۔ کون تھا اس کا۔

ٹھنڈی سنگی سیڑھیوں پر بیٹھ کر ہتھیلیوں کی اوک میں چہرہ تھام کر وہ خالی خالی نظروں سے ہرے بھرے سرسبز لان، انار، آم اور جامن کے درخت کو، چنبیلی کی باڑ اور نرم و نازک سامنے کی دیوار پر چڑھتی بیلوں کو دیکھتی، دیکھتے دیکھتے آنکھوں میں آنسو بھر جاتے۔ دوست سہیلیاں جنہوں نے اسے کہیں کا نہیں رکھا جن کے کہنے پر اس نے اپنی زندگی تباہ کر لی۔

"ابو......!" دھیرے سے چہرہ گھٹنوں پر ٹکا کر انگلی

سے یخ بستہ سیڑھیوں کی سطح کو چھوا۔ جنہوں نے بے دریغ پیسہ دیا، کھلی آزادی دی، کہیں کوئی کسر نہ چھوڑی۔" کاش، آپ مجھے اچھے برے کی تمیز بھی سکھا دیتے۔ زندگی کے اچھے برے دنوں کی ساتھی آنٹی سارہ کو آگے بھاگنے، کچھ جاننے کے چکر میں کبھی اہمیت ہی نہیں دی۔ عباد جس نے ٹوٹ کر محبت کی اور میں اسے وٹین سمجھتی رہی، اسے درخور اعتنا ہی نہیں جانتی تھی۔ مجھے محبت کرنا ہی نہیں آئی۔ نہیں!" آنکھ سے بہتے آنسوؤں کو محسوس کر کے انہیں بہنے دیا۔ اسے تو کسی سے محبت ہی نہیں تھی، محبت تو انسان کو کیا بنا دیتی ہے اور اب جب محبت نے اس کے وجود میں قیام کر لیا تو وہ اسے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

"نہیں!" سینے میں بے چینی کے بھنور اٹھے۔ وہ بے ساختہ اٹھی اور لان میں اتر گئی آنسو کی دھند نے ہر چیز دھندلا دی۔ اوائلِ محبت کی بے چینی اس کے روم روم میں سرائیت کر گئی۔

"عباد، نہیں عباد نہیں، مجھے چھوڑنا مت۔ مجھے...... مجھے۔" وہ لڑکھڑائی اور گھاس پر گر گئی۔

ڈھلتے دن کے اس پار وہ اکیلی تنہا، سرسبز گھاس پر بیٹھی بے حال، مجروح دل لیے بھل بھل رو رہی تھی۔ کاش دل میں محبت نہ ہو کھو دینے کا احساس ہو، احساسِ زیاں ہو تو یوں اس طرح ہی ہوتا ہے۔ آنٹی سارہ نے یوں بے کل و بے قرار دیکھا تو اس کے قریب جا کر اسے اٹھایا، سنبھالا، اپنے ساتھ لگایا۔ دکھے دل پر تسلی و تشفی کے پھاہے رکھے۔

"میں تمہاری ماں نہیں ہوں، تمہاری ماں جیسی تو ہوں نا، بچپن سے تمہارے ساتھ ہوں تم نے کبھی مجھے سمجھا ہی نہیں، بتاؤ مجھے کیوں روتی ہو، کیا ہوا ہے...؟"

"آنی...... آنی۔" شایان ان سے لپٹ گئی۔

"میں بہت بری ہوں، بہت بری۔" وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ "مجھے اچھی لڑکی بنا دیں، بہت اچھی...... جو عباد کے دل کو اچھی لگے جو عباد کی محبت پھر سے حاصل کر لے، عباد اپنا فیصلہ بدل لے۔"

"ہیں...... کیسا فیصلہ" اس کو سامنے کیا۔

"عباد مجھے طلاق دے رہے ہیں۔" بمشکل کہا۔

"کیا!" وہ تو ہکا بکا رہ گئیں۔ "کیوں......؟"

"میں بری ہوں، بہت بری، گندی، آزاد خیال، بدتمیز، جاہل، مجھے...... مجھے۔" وہ کہتے کہتے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے۔ ایک بار پھر سسک اٹھی "میرا اخلاق، میرے اعمال۔"

"خود کو سنبھالو شایان، ایسا کچھ نہیں ہوگا میں بات کرتی ہوں عباد سے۔ اس کے گھر والوں سے تم خود کو تو سنبھالو۔" آنٹی سارہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"اس کے گھر والے......" شایان نے چہرہ اٹھایا "میں نے تو اس کے گھر والوں سے بہت برا سلوک کیا، کسی کی عزت نہیں کی، کسی کو کچھ سمجھا نہیں، کسی کا ادب احترام نہیں کیا، دوسروں کے دل برے کیے۔" آنٹی سارہ چپ اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"تم نے کیوں کیا ایسا؟"

"وہ، وہ زری، غزل میری فرینڈز کہتی تھیں تمہارے سسرال میں بہت زیادہ افراد ہیں، ہر وقت ان کی خدمت کرتی رہو گی۔ تم امیر باپ کی اولاد، کیا غلامی کرو گی۔" چند ثانیے کو ایک گہرا سانس لے کر حواسوں کو کنٹرول میں کیا، دو زانو بیٹھی آنسو گراتے آج اس نے سب کچھ کہہ دیا۔ سارہ تاسف، ملال، دکھ اور ہمدردی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"جو لوگ دوسروں کے کہے میں چلتے ہیں، دوسروں کے دماغ سے سوچتے ہیں وہ لوگ یونہی اپنا گھر تباہ کر لیتے ہیں، مجھے تمہاری وہ دوستیں کبھی اچھی نہیں لگیں۔" انہوں نے دھیرے سے اسے اٹھایا اور اپنے ساتھ لاؤنج میں لے آئیں، اس کے آنسو تھم گئے تھے، سسکیاں جاری تھیں، پانی پلایا بالوں کو سنوارا، برے دوستوں کی صحبت انسان کو برا بنا دیتی ہے۔

"تم نے اتنا بھی نہیں سوچا بچے کہ تم بچپن سے اکیلی اور تنہا ہو، اس گھر کے در و دیوار میں کتنا سناٹا ہے، باپ کو پیسے بھیجنے سے غرض ہے، ماں تمہاری بچپن میں مر گئی، رشتے دار جو ہیں وہ دوسرے شہروں میں۔ تمہیں تو رشتے محبت کے خمیر میں گندھ کر ملے تھے۔" شایان چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"ماں، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا شوہر، بہن بھائیوں کی رفاقت، مجھے تو کبھی ان میں عیب نظر نہیں آیا، محبت، احترام، تم نے یہ کیا کیا۔" خفگی سے اسے دیکھا "پاگل لڑکی۔" شایان نے سر جھکا لیا۔ آنسو پھر سے آنکھوں میں بھرنے لگے۔

"تم کیسی تعلیم یافتہ تھیں۔" پھر انہیں خیال آیا۔ تعلیم کے ساتھ شخصیت کی تعمیر میں تربیت کا پانی نہ ہو تو شخصیت نکھرتی ہے اور نہ سنورتی ہے اس کی تربیت کون کرتا، انہیں تو کبھی ماں سمجھا ہی نہیں تھا۔

"تم خود کو سنبھالو بیٹا، رو رو کر ہلکان مت ہو، میں عباد کی والدہ سے بات کرتی ہوں، بچوں سے غلطیاں ہوتی ہی ہیں، ایک موقع سنبھلنے کا ضرور ملنا چاہیے بچوں کو۔" محبت سے اسے ساتھ لگایا، ذرا سا اطمینان اس کے قلب میں پھیلا۔

"اگر انہوں نے کوئی بات نہ سنی تو......؟" بے چینی پاؤں پسارے تھی۔

"بات جب بڑوں کے درمیان ہو تو ضرور سنی جاتی ہے۔" دھیرے سے اسے تھپکا۔

☆☆☆

عباد اپنے ابو رحمٰن صاحب کے آفس میں، ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا لفظوں کو تول رہا تھا۔ ایک ہی سہارا تھا جن سے بات چیت یا مشورہ کر سکتا تھا، باقی تو سب اس سے شاکی تھے۔ رعنا بھابی کا مشورہ چھوڑ دو۔ امی کا کہنا لے کر آؤ اسے۔ خود اس کا دل...... چھوڑ دے گا ایسی فضول سی لڑکی، فضول سی محبت کو جس میں طریقہ سلیقہ نہ ہو، واقعی شکل کی محبت جگ ہنسائی میں مبتلا کرتی ہے۔ امی کا دل راضی کرنے کے لیے چھوڑ رہا تھا۔ امی پھر بھی ناراض تھیں کہ اسے لے کر آؤ اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

"گھر میں پھر وہی چپقلش، ناراضی، جھگڑے رہیں گے تو کیا فائدہ" بہت دیر خاموش دیکھ کر اس کے تاثرات نوٹ کر کے خود ہی اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"پھر کب جا رہے ہو تم......؟"

"ہفتے کو۔"

"اچھا، پھر کیا سوچا تم نے، اپنے گھر کے لیے؟" ابو کے ہلکے پھلکے لہجے پر وہ چونکا۔

"ابو......" اس نے گہرا سانس لیا "کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"کیا......!"

"کیا کروں، میرا فیصلہ تھا شادی کرنے کا، میں ہی اب پشیمان ہوں، واقعی میرا فیصلہ غلط تھا، میں اسے طلاق دے رہا ہوں تا کہ ناراض دلوں کو منا لوں مگر...... مگر امی کہہ رہی ہیں اسے لے کر آؤ۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں الجھاتا وہ بے کل تھا۔

"اور تم...... تم کیا کہتے ہو؟"

"ابو اس کا ردِ عمل اس کا اخلاق، اس کے جھگڑے، نیچر، عادات سب آپ کے سامنے ہے میں الگ گھر نہیں لے سکتا پھر وہی جھگڑے فساد ہوں گے۔ اس سے بہتر ہے اب یہ معاملہ ختم ہو جائے۔ آپ امی کو سمجھایئے۔" دل کی ساری باتیں وہ باپ سے کہتا جا رہا تھا۔

"وہ تم سے ہی نہیں مجھ سے بھی ناراض ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں کہ اسے لے کر آؤ۔" عباد ان کی شکل دیکھنے لگا۔ "اور تم اسے لے آؤ۔"

"ابو......!" وہ سارا مسئلہ جان کر بھی یہ کہہ رہے تھے، وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"غلطیاں انسانوں سے ہوتی ہیں اور انسان ہی اسے معاف کر دیتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ بدل گئی ہو۔"

"اور اگر وہ نہ بدلی تو...... کبھی سرشت بھی بدلتی ہے، خمیر بھی کبھی چینج ہوتا ہے۔"

"ویسے بھی تم جا رہے ہو، اپنی ماں کی بات مان لو۔ اسے یہاں چھوڑ جاؤ، سنبھل گئی تو ٹھیک ورنہ...... پھر ہم خود تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"ابو......!" وہ کسمسا کر رہ گیا "اور بھابی، بھابی کی جو اتنی بے عزتی ہوئی ہے، وہ تو کہتی ہیں اگر شایان اس گھر میں آئی تو وہ نہیں رہیں گی۔"

"اس کا فیصلہ میں کروں گا کہ کون رہے گا کون نہیں، میں تمہاری ماں کو دکھی نہیں دیکھ سکتا، ویسے بھی تم نے انہیں بہت ہرٹ کیا ہے اس نے کچھ سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے تو اس کی مان لو۔" وہ پھر الجھ کر رہ گیا۔

"ہفتے کو تم جا رہے ہو، جمعے کو اسے ادھر چھوڑ جاؤ۔"

رحمٰن صاحب نے عباد کی مشکل آسان کی۔ عباد انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"قسمت مہربان ہو رہی ہے یا ایک اور گھاؤ لگانا چاہتی ہے یا پھر...... یا پھر" بالوں میں انگلیاں پھنسالیں۔

رحمٰن صاحب فائل دیکھنے لگے۔

"ایک فیصلہ ہم ماں باپ کا بھی مان لو جتنا سوچو گے اتنا ہی الجھو گے صاحبزادے، یہ چائے پی لو، اس کے بعد بازار جا کر کچھ شاپنگ کر و جانے کے لیے، تم کون سا ادھر ہو گے۔ یہاں لمحوں کی خبر نہیں ہوتی کب کیا ہو جائے تم تو پھر سال ڈیڑھ سال بعد آؤ گے، ہو سکتا ہے سب کچھ بدل چکا ہو یا پھر......" چونک کر کپ اٹھاتے اٹھاتے دیکھا۔ وہ ہنس رہے تھے۔ وہ بھی بے معنی پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔ وقت کی بساط پر جانے اس کی قسمت میں کیا رقم تھا۔ سوچ بچار کے بغیر کیے ہوئے جذباتی فیصلے ہمیشہ ہی رُلاتے ہیں۔

☆☆☆

فون کی بیل پر شایان ہڑبڑا کر اٹھی اور سرعت سے بھاگ کر فون اٹھایا۔

"ہیلو، شینی کیسی ہو، کہاں ہو بھئی، تمہارے بغیر تو ساری محفلیں، پکنک پارٹیز ادھوری ہیں۔" اس کے جذبوں پر اوس گرنے لگی، دوسری جانب زری تھی۔ اس کا حلق کڑوا ہونے لگا۔

"بولو، کہاں ہو تم، فون ہی نہیں اٹھاتیں میں سمجھی کہ سسرال چلی گئی ہو، کیا کرنا ہے ایسے دقیانوسی لوگوں میں جا کر، طلاق لے لو عباد سے۔ سچ کتنے لوگ تمہاری محبت میں مر رہے ہیں۔ میں آ رہی ہوں تمہاری طرف، ٹونی کے ساتھ۔" اس کی حسیات الرٹ ہو گئیں۔

"کیوں...... کیوں......؟"

"بھئی ملنے، اتنے دن ہو گئے ہیں تم سے ملے ہوئے پکنک پر جا رہے ہیں بیچ پر۔ اس کے بعد پروگرام ہے، لاہور چلنا ہے تمہارا ٹکٹ لے لیا ہے، کلب میں ایک شاندار پارٹی ہے، تمہیں خبر ہے نا مگر تم تو کلب بھی نہیں آ رہی ہو، میں بھی مصروف تھی آ نہ سکی۔ میں نے ماڈلنگ شروع کر دی ہے نا، تم نے میرا ایڈ دیکھا ہو گا کیبل پر۔ آ کر بات کرتی ہوں، ٹونی گاڑی میں ہے۔"

"زری...... زری ابھی گھر مت آنا، ابو آئے ہوئے ہیں میں فی الحال نہیں نہیں جا سکتی۔ اچھا خدا حافظ۔" جلدی سے کہہ کر فون رکھ دیا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی، گویا بہت دور سے بھاگتی ہوئی آ رہی ہو۔ دھم سے صوفے پر گری، تیزی سے دھڑکتے سینے پر ہاتھ رکھا۔

آنٹی نے کہا تھا اگر تمہیں اچھی لڑکی بننا ہے تو سب سے پہلے اپنی ان تمام دوستوں کو چھوڑنا ہو گا، ان جیسی لڑکیاں نہ بستی ہیں اور نہ بسنے دیتی ہیں، یہ آزاد تتلیاں آزادی کی متلاشی بھرپور فائدہ اٹھاتی ہیں۔ آج کل وہ شایان کو اچھی باتوں کا درس دے رہی تھیں۔ اور اس تدریس سے اسے بہت فائدہ ہوا تھا۔ دل کو سکون ملا تھا۔ آنٹی سارہ سے ہی وہ آج کل از سرِ نو قرآن پڑھ رہی تھی، نماز سیکھ رہی تھی، وہ تو نام کی مسلمان تھی بس ...... اس نے تو کبھی نماز نہیں پڑھی تھی، بچپن کا پڑھا ایک دفعہ کا قرآن بھول گئی تھی۔ کیبل کے تمام واہیات، فضول نمبر ہٹا دیئے تھے، اخلاق باختہ موویز، ڈراموں اور دوسری چیزوں نے اس کا دماغ خراب کیا تھا۔ اب صرف قرأت، نعت خوانی کے نمبر کیبل پر لگاتی تھی۔ جن کو سن کر ایک نئی لڑکی اس کے وجود میں جنم لے رہی تھی۔ دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر ٹیلی وژن آن کر لیا۔

"انسان دوستی کا ایک تقاضا حسنِ ظن بھی ہے، انسان دوسرے انسانوں کے بارے میں نیک گمان رکھے، بدگمانی، بدگوئی انسانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہے، نیک گمان رکھنے سے بے شمار دشمنوں سے نجات ملتی ہے، ہمارے حضورؐ نے اسے "عبادت" قرار دیا ہے۔

"انسان کی زندگی بے حد مختصر ہے صاحبو، اس لیے ہمیں ایسے اوصاف اپنانے چاہئیں جن پر چل کر ہم فلاح پائیں اور لوگوں میں مقبول و معروف ہوں۔ حضورؐ کا فرمان ہے روزِ محشر ترازوِ ایمان میں جو چیزیں رکھی جائیں گی اس میں حسنِ اخلاق سے زیادہ بھاری چیز کوئی اور نہیں۔ جس نے اپنے اخلاق کو اچھا بنا لیا اس نے بہشت کے اوپر والے حصے میں اپنا گھر بنا لیا، اچھے اخلاق کا مالک اللہ کا

دوست ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھی۔ ساکت نظروں سے ٹیلی ویژن کی اسکرین کو دم سادھے دیکھ رہی تھی۔ وہ اندر تک کانپ گئی۔ اس کا اخلاق، اس کا ایمان، اس کے اعمال، اس کی مٹھیاں بھینچ گئی، وہ ایمان کی کس منزل پر ہے۔

آنٹی سارہ اندر آ گئیں۔

"اخلاق کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے، ایک فضائلِ اخلاق اور دوسرے رذائلِ اخلاق۔ فضائلِ اخلاق وہ عادات، طور طریقے ہیں جو انسانیت کے لیے مفید ہیں لہٰذا پسندیدہ ہیں۔ رذائلِ اخلاق وہ عادات اور طور طریقے جو انسانوں کے لیے مضر ہیں، ناپسندیدہ ہیں۔" پروگرام ختم ہو گیا۔ وہ ساکت سی سن رہی تھی، اپنی ساری زندگی اس کے سامنے تھی اس کے اخلاق، رذائل ہی رذائل، ناپسندیدہ ...... اسے تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں بھرنے لگیں۔

آنٹی سارہ نے محبت سے ہاتھ تھام لیا۔ اشک رخساروں پر ڈھلک گئے۔

☆☆☆

عباد کمرے میں داخل ہوا۔ زبیدہ رحمٰن نے اسے دیکھا تو خفگی کے طور پر منہ پھیر لیا، دھیرے سے ان کے سامنے آ کر دوزانو ہوا۔

"ناراض ہیں؟" عباد نے ان کے ہاتھ تھام لیے...... جو انہوں نے شاکی سے انداز میں جھٹکے، عباد نے پھر تھام لیے۔

"بہت ناراض ہیں نا، میں جانتا ہوں مگر میں کیا کروں وہ میرے دل و نظر سے اتر چکی ہے، مجھے اچھی نہیں لگتی اب...... مگر آپ کے صرف آپ کے لیے میں کل اسے لے آؤں گا۔ طلاق کے پیپرز میں نے پھاڑ دیے ہیں۔ اس کے بعد نتائج کی ذمے دار آپ ہوں گی۔" وہ عباد کو دیکھنے لگیں۔

"کسی کی شکایت، شکوہ میں نہیں سنوں گا یہ آپ کا فیصلہ ہے، رعنا بھابی کو آپ نے ہی منانا ہے۔"

"وہ ہیرا ہے، مجھے تو صرف اسے تراشنا ہے، اس نے مجھے کچھ نہیں کہا مگر میرا دل.... جانے کیوں اسے اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہے۔"

"آپ کی خواہش، آپ کے لیے پوری کر رہا ہوں۔"

"بہت شکریہ تمہارا بیٹا!" زبیدہ رحمٰن کو غصہ آ گیا "قصور تمہارا تھا اس کا نہیں، اسے تمہیں اس گھر کے طور طریقوں سے آشنا کرانا چاہیے تھا اگر انسان سمجھدار نہیں ہے تو اسے سمجھانا چاہیے۔"

"پیکنگ میں نے کر لی ہے، کل عصر کے وقت میری فلائٹ ہے میں صبح اسے لے آؤں گا...... اور......" اور دودھ کے گلاس لے کر آتی رعنا دروازے میں ٹھٹک گئیں ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کل عباد جا رہا تھا ان کے علم میں تھا۔ آج امی کے سامنے عباد کی دوسری شادی کے حوالے سے بات کرنے آئی تھیں مگر یہاں......

"کس کو لے آؤ گے، کون آ رہا ہے؟" خود کو نارمل کیا، آگے آئیں، ٹرے سائیڈ پر رکھ کر ادھر ہی بیٹھ گئیں۔

"عباد جا رہا ہے کل اور شایان آ رہی ہے۔" زبیدہ رحمٰن نے انہیں دیکھا۔

"جی......!" تحیر سے دیکھا "کیوں آ رہی ہے وہ یہاں، کیا منہ لے کر...... امی میں نے کہہ دیا ہے میں نہیں رہوں گی اگر وہ آئی تو، آپ جانتی ہیں کہ..." عباد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"رعنا خود کو سنبھالو، اچھی یا بری وہ اس گھر کی بہو ہے، وہ آ رہی ہے تو تم سے تمام ناروا سلوک کی معافی مانگے گی، نہ صرف تم سے بلکہ سب سے اور آئندہ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو گا، تمہاری اہمیت مسلم ہے تمہیں اس گھر داری سے کوئی الگ نہیں کر رہا ہے اور نہ تم ایسا سوچنا۔" رعنا اندر ہی اندر بل کھا کر رہ گئیں۔

"امی مگر......" کچھ تذبذب سے عباد کو دیکھا۔ عباد دوسری جانب متوجہ تھا، فاریہ، اس کا مستقبل، ان کی پلاننگ....

"اگر انسان شرمندہ ہو تو ضروری نہیں ہے کہ اس کو سزا دی جائے، اب ایک بدلی ہوئی لڑکی ہو گی وہ۔"

"آپ کو کیسے پتا آپ سے ملی ہے وہ، فون آیا ہے اس کا کہ آ کر مجھے لے جائیں بد دماغ، آوارہ، ذلیل

خاندان۔"

"رعنا......" زبیدہ رحمٰن نے غصے سے دیکھا، عباد بھی گڑبڑا گیا "ایک انسان کی غلطی کو اس کی غلطی کہو، پورے خاندان کا کیا قصور اور اس کے خاندان میں ہے کون، نہ ماں، نہ بہن بھائی، باپ ہے وہ اتنی دور۔"

"ہونہہ" تنفر سے انہیں دیکھا، رعنا کو غصہ آ رہا تھا۔ فاریہ کو تو انہوں نے یقین دلایا تھا کہ عباد اس کا ہے، بس جلد ہی شایان سے چھٹکارا مل جائے تو پہلا رشتہ تمہارا ہی کروں گی...... مگر یہاں......

"امی، انسان کی تربیت میں جو کچھ حلول کر جائے وہ نکلتا نہیں، آپ دوبارہ گھر میں وہی بدنظمی، ابتری، آزاد خیالی دیکھنا چاہ رہی ہیں، مریم پھپھو کا منہ بمشکل بند ہوا ہے اسے دیکھ کر......تو۔"

"بہو......" انہوں نے ڈپٹ کر رعنا کو دیکھا "یہ ہمارے مسئلے ہیں، ہم سنبھالیں گے، کہا نا تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، مت رابطہ رکھنا، وہ بھی ضابطے میں رہے گی۔"

"امی...... آخر آپ اسے لانا ہی کیوں چاہتی ہیں، کیا دے گی وہ بدزبان، بداخلاق، بدنظر عورت۔" ان کا اشتعال بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" انہیں غصہ آ گیا۔ غصے سے عباد کو دیکھتی وہ کمرے سے نکل گئیں۔ ماں سے نظر ملنے پر عباد نے سر جھکا لیا۔

"بعض اوقات زندگی میں کیے ہوئے فیصلے سوائے شرمندگی در شرمندگی کے کچھ نہیں دے سکتے امی۔" دھیرے سے کہا۔

"تم کچھ مت سوچو، کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی میں ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہاں جب واپس آؤ تو دل و نظر بدل کر آنا۔" عباد انہیں دیکھتا رہا، پھر آگے بڑھا اور ان کی گود میں منہ چھپا لیا۔ کتنا برا تھا وہ۔ کتنی بری ہوتی ہے وہ اولاد جو ماں باپ کی نافرمانی کرتی ہے اور والدین پھر بھی ان کا بھلا سوچتے ہیں۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں، آنسو ماں کے دامن میں سمیٹ دیے۔

"مجھے، مجھے معاف کر دیجیے گا امی' میں نے آپ کا دل دکھایا، نافرمانی کی، میری وجہ سے جگ ہنسائی ہوئی، آپ یقین کریں میں واقعی اسے صرف اس وجہ سے اب رکھنا نہیں چاہتا...... مگر......" سر اٹھا کر ان کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا۔ انہوں نے مسکرا کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

"اولاد جب غلطی تسلیم کرے تو غلطی کی نوعیت بدل جاتی ہے اور تم تو کنارے کی راہ پر چل پڑے ہو، میں ناراض نہیں ہوں، تمہارے فیصلے کو میں بہتر انداز میں بدل دوں گی۔"

...... وہ اس قابل ہی نہیں کہ بدلے اور اپنے انداز...... اک بار پھر ماں کی گود میں منہ چھپا لیا۔ کیسا مسحور انگیز احساس وجود میں خوشبو بھر رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ ہونٹ دھیرے دھیرے مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆

اس نے ریک سے کتاب اٹھائی اور پڑھنا شروع کی۔

"حسن اخلاق' کشادہ روئی اختیار کرنے' خوب بھلائی کرنے اور دوسروں کے دل میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لیے ایک کارگر نسخہ خوش خلقی ہے۔ مسکرا کر، ہمدردی سے، محبت سے بات کرنا، دوسروں کی عزت افزائی کرنا، تواضع اور انکساری سے پیش آنا۔ جن پر کچھ خرچ نہیں ہوتا مگر اللہ کی طرف سے اجر زیادہ' دوسروں سے بھلائی سے پیش آنے میں تمام فضائلِ اخلاق آ جاتے ہیں۔ فضائلِ اخلاق انسان میں اوصافِ حمیدہ پیدا کرتے ہیں جس میں احسان، ایثار، رحم دلی، شفقت، محبت، عفو و درگزر، حسن معاملہ، عیب پوشی، حسنِ ظن، صبر و تحمل، تعزیت و عیادت ان اوصاف کو اپنا کر انسان ایک دوسرے سے نیکی کرنا اور باہمی الفت و محبت کو بڑھاتا ہے۔

"رذائلِ اخلاق انسان کی جڑوں کو کاٹ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے انسان بچتا ہے، ان کی محفل سے کتراتا ہے، بدی کی دوستی بھی بدنام کر دیتی ہے، رذائلِ اخلاق میں بغض، کینہ، حسد، چغلی لگانا، غیبت کرنا، بہتان، زبان درازی، طعنہ زنی، جھگڑالو پن، فخر و غرور، منافقت،

بدگمانی، غصہ اور چرب زبانی شامل ہے۔ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، کیکر سے ہم آم حاصل نہیں کر سکتے، خدا اپنے بندوں سے اس وجہ سے بھی خوش ہوتا ہے کہ اس کے بندے اس کے بندوں سے کس طرح پیش آتے ہیں۔" اس کے ہاتھ سے کتاب گر گئی اور شایان کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ وجود ایک بار پھر لہو رنگ ہونے لگا۔ وہ تو خدا کے ناپسندیدہ بندوں میں شامل تھی۔ اس کا شوہر اس سے متنفر، سسرال والے نالاں، رشتے دار کتراتے تھے، اُف! وہ کانپ گئی۔ اپنی زندگی میں کیسی فصل بوتی آ رہی تھی، اس کے گرد کیکر اور کیکٹس تھے اور......

"یا اللہ!" اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور ہونٹوں سے لگا لیے "مجھے معاف کر دے، میں نے تیرے بندوں کا دل دکھایا ہے، مجھے معاف کر دے۔" اس کے اشک بہہ نکلے۔ آہٹ پر سر گھمایا تو آنٹی سارہ اس کے قریب تھیں۔

"میں کتنی بری ہوں نا آنی، میں نے کتنے لوگوں کا دل دکھایا ہے، عباد مجھ سے ناراض ہے اس لیے خدا نے مجھے بھٹکنے کی راہ پر ڈال دیا ہے۔" وہ سسکی "میں، میں ان سب کو منانا چاہتی ہوں آنی...... مگر کیسے...... کیسے...... میں مسلمان، پکی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔" وہ ان کے سینے سے لپٹ گئی۔ نم آنکھوں سے انہوں نے اسے اپنی آغوش میں بھر لیا۔

"بچے، جو سنبھلنا چاہے خدا اسے سیدھا راستہ بھی دکھا دیتا ہے، صحیح راہ کا تعین بھی کر دیتا ہے، بندہ اپنے گناہوں پر شرمسار تو ہو، سچے دل سے استغفار تو پڑھے۔" دھیرے، دھیرے اسے تھپکتے ہوئے وہ سمجھا رہی تھیں، گرم گرم آنسو اس کے دل پر گرتے، اسے آگہی دے رہے تھے۔

"آنی......!" بہت دیر بعد آنسو تھمے تو اس نے سر اٹھایا "میں عباد کو راضی کرنا چاہتی ہوں، انہیں منانا، معافی مانگنا چاہتی ہوں، خدا کہتا ہے جو مجھے راضی رکھتا ہے تو میرے بندوں کو راضی رکھتا ہوگا اور وہ...... وہ سب تو۔"

"وہ سب بھی راضی ہو جائیں گے۔" دھیرے سے آنچل میں آنسو سمیٹے "میں نے تمہاری ساس کو فون کیا تھا۔"

"اوہ...... پھر......" بے اختیار ہاتھ تھامے، آنکھیں چمکنے لگیں۔

"جانے تم نے کیا' کیا ہے، عباد ناراض ہے بہت سخت، تمہیں انہیں فون کرنا چاہیے تھا، میں نے تمہاری طبیعت خرابی کا بتایا، کل...... کل لینے آ رہا ہے عباد تمہیں۔"

"کل......!" آنسوؤں بھرے چہرے سے مسکرائی "آنی کل......!" بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ آنسو گرنے لگے۔

"ہاں کل۔" انہوں نے شایان کا ہاتھ تھام لیا "بیٹا سنبھلنے کے لیے ایک موقع خدا ضرور دیتا ہے تم ان سب کے دل جیت لینا' وہی تمہارا گھر ہے، دوسروں کو عزت و تکریم دو گی تو تمہیں عزت ملے گی۔ ایک بار پھر تمہیں گھر داری سنبھالنے کا موقع مل رہا ہے، وہ سب غلطیاں، کوتاہیاں مت کرنا جو تم دوسروں کے کہے میں آ کر کر چکی ہو۔ شایان' سسرال اور شوہر کو سنبھالنے کے لیے انسان کو صرف اپنے دماغ، معاملہ فہمی اور سسرال والوں کے طور طریقے اپنا کر سوچنا چاہیے، دوسروں کے کہے میں آ کر صرف گھر اجڑتے ہیں، برے دوست بدترین دشمن ہو جاتے ہیں، فہم و فراست سے ہمیں ان کا انتخاب کرنا چاہیے۔" وہ بردباری سے سمجھا رہی تھیں اور شایان سر جھکائے فرمانبرداری سے سن اور سمجھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے بے قراری سے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ (آج سے پہلے ایسا ایقان اور آگہی حاصل کب ہوئی تھی کب کسی نے اس طور سمجھایا تھا۔) مسکرا کر سر اٹھایا۔ خدا جب معاف کر دے تو خود بخود راستے ہموار ہو جاتے ہیں، آگہی کے در کھل جاتے ہیں۔

"اٹھو' تیاری کرو اور سنو ہو سکے تو عباد کو فون کر لو۔"

"ہیں...... میں۔" اس کا چہرہ بلش ہونے لگا "وہ تو ناراض......"

"نہیں' مان گیا ہے تو لینے آ رہا ہے نا......؟" انہوں نے شایان کے چپت لگائی۔

"اوہ......!" اس کے اندر سرخوشی سی اترنے لگی۔ عباد کے لیے بھرپور محبت اس کے روم روم سے پھوٹ

پڑی۔ اس کا وجود گنگنا اٹھا۔ دھیرے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی اور سجدۂ شکر بجالائی، خدا نے اتنی جلدی اس کی کوتاہیوں کو معاف کردیا۔

بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، بندہ شرمندہ تو ہوا اور وہ شرمندہ تھی۔

☆☆☆

''آنی......'' کچھ دیر بعد وہ پھر ان کے سامنے تھی۔

''کیا ہوا بیٹا......؟''

''آنی میں نے بازار جانا ہے، میرے پاس تو کوئی کپڑا ہی نہیں وارڈروب میں تو سب جینز، ٹی شرٹ کرتے اور خراب کپڑے ہیں، اب میں وہ سب تو نہیں پہن سکتی نا۔'' معصومیت سے انہیں دیکھا ''صبح تو وہ آجائیں گے۔'' سر جھکایا۔

''چلو......!'' وہ مسکرادیں۔ شایان نے مسکرا کر سر اٹھایا، نئے نویلے جذبوں نے اسے ایک نئی خوشی سے ہمکنار کیا تھا۔

ساری رات سوتے جاگتے، خواب بنتے گزری، وہ کیسے عباد کا سامنا کرے گی۔ اُف......! ملن کا سوچ کر ہی اسے اک نیا سرور سا محسوس ہوتا۔ وہ مان گئے ہیں تو لینے آرہے ہیں، وہ کون سا جوڑا پہنے، سرخ، سبز، سفید، دھانی یا کاسنی۔

سارے ریڈی میڈ سوٹ پھیلا لیے تھے۔ اس نے کاسنی سوٹ اٹھالیا، چوڑی دار پائجامے کے ساتھ، بڑا سا دوپٹا تھا۔ اٹریکٹ فل، عباد کا پسندیدہ مگر...... اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ نگاہ سرخ سوٹ پر گئی، کل وہ گھر میں یہ سوٹ پہن لے گی۔ اس سوٹ پر ہاتھ پھیرا۔ دل نئے جذبوں سے بھرنے لگا۔

ایک نئی روشنی کی نئی تیرگی اس کے ہمراہ تھی گویا نیا جنم ہوا ہو۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے عباد کو فون نہیں کیا، سب...... سب کچھ کل کرے گی، معافی، معذرت، تلافی ......اس کے لب مسکرا اٹھے اور سب کچھ جو عباد کہیں گے۔ مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔ تقدیر......اس کی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی مسکان گہری کرتی جارہی تھی۔

☆☆☆

صبح دم اٹھ کر اس نے آنی کے ساتھ مل کر فجر پڑھی، پھر انہوں نے اس سے قرآن کا اگلا سبق سنا۔ اس کے اندر سرخوشی اور مسرت کے دیئے روشن تھے۔ وہ لان میں آگئی۔ پھولوں کے چہرے شبنم سے ڈھکے ہوئے تھے، سبز گھاس گیلی ہو رہی تھی، نرم خو، سبک ہواؤں نے اس کو صبح بخیر کہا۔

گلاب اور سفید چمپا چن کر اس نے گلدستہ بنا کر لان کی ہی ٹیبل پر رکھ دیا اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا آنکھیں، دل، وجود فرشِ راہ کردے، عالمِ سرخوشی میں جتلا مسکراہٹیں، چہرے پر اور گنگناہٹیں لبوں پر تھیں۔

☆☆☆

جانے کہاں سے اتنا غبار اور تنفر رعنا کے وجود میں بھر گیا تھا شایان کے لیے' اس نے عہد کرلیا تھا کہ اسے وہاں ٹکنے نہیں دینا، ہر حال میں اس کی جگہ فاریہ لے گی۔ انہوں نے عباد سے سیدھے منہ بات کرنا درکنار نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ سب کو خدا حافظ کہہ کر ذرا دیر پہلے گھر سے نکلا تھا عباد۔ ڈرائیور اسے ایئرپورٹ چھوڑنے جارہا تھا، جب اس نے شایان کے گھر کا راستہ سمجھایا۔ جانے پہچانے راستے، محبت کی گزرگاہیں، گنگناتے نغمے، سب ساتھ مل کر رقص کرنے لگے۔

محبت مر بھی جائے تو بھولتی نہیں ہے، بھولنا بھی چاہیں تو نظارے، یادیں اور راہیں بھولنے نہیں دیتیں۔ اس رخ سے منہ پھیر کر اس رخ دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔ اس کی محبت سے اسے بہت دکھ ملے تھے۔

''جی صاحب!'' گاڑی مطلوبہ بنگلے کے سامنے کھڑی تھی۔

''ہارن دو!'' عباد نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے سیاہ گیٹ کو دیکھا۔ باہر بیٹھا چوکیدار اٹھ کر اس کی جانب آیا۔ ڈرائیور نے ہارن دیا۔ چند ثانیے بعد گیٹ پورا کھل گیا۔ چوکیدار کھڑکی میں جھک گیا۔

''سلام صاحب......اندر آئیں۔''

''نہیں، تم بی بی کو بھیج دو۔'' کھلے گیٹ سے اندر نگاہ

کی۔ سامنے ہی وہ کھڑی تھی، دوسرے لمحے چونک گیا، وہ جینز شرٹ میں ملبوس ہونے کے بجائے پرپل کلر کے چوڑی دار پائجامے، شرٹ پر دوپٹا پھیلائے کھڑی تھی۔ کھلے ہوئے بال شانوں پر بکھرے تھے۔ قدم قدم اس کی جانب بڑھاتی آرہی تھی۔ عباد نے منہ پھیر لیا۔

''عباد بیٹا اندر آیئے نا!'' خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ آنٹی سارہ باہر آئیں۔

''نہیں آنٹی' مجھے کام سے جانا ہے، آپ اسے بھیج دیں۔'' سنجیدگی سے سلام کر کے متانت سے کہا۔

''ایسے کیسے بیٹا، یہ تمہارا گھر ہے۔''

''پلیز آنٹی' فی الحال ممکن نہیں۔'' گھڑی پر نگاہ کی ''بہت ضروری کام ہیں۔''

''اچھا...... ناشتا، چائے، ٹھنڈا۔'' سارہ اصرار کرنے لگیں۔

''پلیز آنٹی' کہا ناں۔'' وہ پلٹ گئیں، انہیں عباد کے تیور ٹھیک نہیں لگے۔ سامنے ہی خوشیوں کے احساس سے جگمگاتی شایان تھی۔

''آنٹی کیا ہوا؟'' شایان نے پوچھا۔

''آجاؤ، وہ بہت جلدی میں ہے۔''

''اچھا۔'' گاڑی کی جانب دیکھا۔ عباد چوکیدار سے بات کر رہا تھا۔ شایان ان سے گلے مل کر گاڑی کی جانب آگئی۔ پیچھے پیچھے ملازمہ تھی۔ اس نے اس کا بیگ گاڑی میں رکھا۔

''بلیک، بڑا سا لیدر کا بیگ۔ اس میں شاید اس کے کپڑے تھے۔ ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا۔

''السلام علیکم۔'' گاڑی ... میں بیٹھ کر دروازہ بند کر کے اسے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام'' اس پر نگاہ کیے بغیر ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔ چمکتے چہرے، دمکتی آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ وہ سرخوشی بھرے انداز میں آگے بیٹھے عباد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید ابھی تک خفا تھا، سنجیدہ، سوبر، خاموش۔

''میں منا لوں گی، معافی مانگوں گی، غلط راہِ شوق نے مجھے بھٹکا دیا تھا، اس سے پہلے دین سے لاعلم تھی۔ حقوق کی اہمیت کا احساس نہیں تھا، لیکن اب......'' عباد کو دیکھتے دیکھتے آنکھوں کی سطح بھیگنے لگی۔

''اب میں علم کا سفر طے کر رہی ہوں، آگہی میرے ساتھ ہے۔ اب ... کبھی بھی عباد آپ کو مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔ کبھی بھی میں آپ کی دل آزاری، دل شکنی نہیں کروں گی۔ آپ مجھے گھر لے آئے آپ کا بے حد شکریہ۔'' بے خودی کی سی کیفیت میں عباد کو تکے جارہی تھی جو اس کے وجود سے یکسر غافل گاہے بگاہے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالتا بے حد خاموش تھا' خود ہی لینے آجاتے عباد...... ملن کے اس راستے کو امر کرلیتے۔ اس کے لب مسکرا دیئے۔

''آپ...... آپ مجھے بدلہ ہوا دیکھ کر کتنا خوش ہوں گے، میں نے آپ کا پسندیدہ رنگ پہنا ہے۔ آپ کے رنگ میں رنگ گئی ہوں۔ میں نے آنی سے اچار گوشت پکانا سیکھا ہے، آپ کو بے حد پسند ہے نا، اب چائے بھی اچھی بنالیتی ہوں۔ صبح کا ناشتا خود بنایا کروں گی، آپ کا دل چاہتا ہے تو......تو۔'' اپنی سوچوں میں گم، فرطِ مسرت سے اسے تکتے ہوئے پتا نہیں چلا کب گھر آگیا۔

گاڑی جھٹکے سے عشق پیچاں کے پھول پتوں سے ڈھکے گھر کے آگے رک گئی۔ ڈرائیور اتر کر دروازہ کھول رہا تھا۔

''اتریئے بی بی صاحبہ!'' اترتے ہوئے عباد کو دیکھا۔ وہ منہ موڑے باہر دیکھ رہا تھا۔ آنچل سنبھال کر اتر گئی۔ ڈرائیور نے بیگ اٹھا کر اندر رکھ دیا۔ گیٹ سے اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے منہ پھیر کر دیکھا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ عباد پیچھے آرہے ہوں گے۔ لمحے بھر بعد حیران ہوئی، گاڑی زن سے آگے نکل گئی۔ ضروری کام سے گئے ہوں گے۔ اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ دوسرے لمحے وہ چونک گئی، لان میں رکھی چیئر پر زبیدہ رحمٰن بیٹھی تھیں، ان کی جانب قدم بڑھادیئے۔

''اسلام علیکم۔'' ادب سے ان کے آگے جھکی۔

''وعلیکم السلام۔'' محبت سے سر پر ہاتھ پھیر کر ماتھے کا بوسہ لیا۔ شدت سے شایان کے دل میں ان کی گود میں چھپنے کی خواہش جاگی۔ ان کے آگے دوزانو ہوگئی بے

ساختہ۔

"امی، میں اپنے پچھلے رویوں پر شرمندہ ہوں۔" دھیرے سے ان کے ہاتھ تھام لیے "آئی ایم سوری میں نے آپ سب کو ہرٹ کیا۔" اس کا ہر ہر انداز انہیں چونکا رہا تھا، کتنی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

"میں معافی کے قابل تو نہیں جو سزا ملے گی میں سہہ لوں گی۔" سنجیدگی اور متانت اس کا خاصہ تھی ہی نہیں جس کا وہ اظہار کر رہی تھی۔

"بیٹا، جب تم اپنے کہے اور اپنے کیے پر شرمندہ ہو تو سزا کیسی، مجھے خوشی ہے کہ تم لوٹ آئی ہو اور بالکل بدل چکی ہو۔" ستائش بھرے انداز میں اس کے کھلے کھلے روپ، ڈھکے ہوئے لباس، جھکے سر اور باادب لہجہ تبدیلی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دھیرے سے اٹھا کر اپنے مقابل بٹھالیا۔

"اوہو، شایان صاحبہ تشریف لائی ہیں۔" راحمہ بھابی کی آواز پر وہ چونکی۔ طنز بھرے چہرے کے ساتھ اس نے سر جھکا لیا۔

"کیسے آنا ہوا دیورانی جی۔"

"راحمہ، اس کا گھر ہے آ گئی۔" زبیدہ رحمٰن کو برا لگ گیا۔

"اچھا مگر انہوں نے اس گھر کو گھر سمجھا ہی کب تھا اور اڑتی تتلی کے بھی گھر ہوتے ہیں۔" وہ اندر تک کٹ گئی۔ اپنے آنچل کا ایک کونہ مٹھی میں پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ صبر و تحمل، ظرف، برداشت کے اصول بندھے تھے۔

"بیٹا صبر و برداشت کو ہاتھ سے پھسلنے نہ دینا جو فصل بوئی ہے اسے کاٹنے کا وقت ہے۔ ببول کی زمین پر ببول اور کیکٹس کی کاشت سے کیکٹس ہی کی فصل اگے گی اور یہ ببول، کیکٹس، کیکر، نیم کی فصل ہی تم نے کاٹنی ہے۔ فصل کی کٹائی کے بعد زمین ہموار کر کے تم نئی فصل بوؤ گی۔ محبت کی فصل لیکن فصل کی کٹائی اور چھٹائی کے درمیان کا وقفہ تم نے صبر و تحمل سے گزارنا ہے۔ یہ تمہارا امتحان اور شاید سزا ہو...... مگر ایک گھر مضبوط گھر بنانے کے لیے صبر و ضبط کے اس پل سے گزرنا ضروری ہوگا۔" دھیرے سے اس نے اپنے پیروں کو مضبوط کیا، آنی کے شیریں لفظوں نے اس کے گرد حصار بنالیا۔

"اور سمجھنے کی بات یہ ہے امی کہ انہیں گھر آنے کا خیال آیا، کیونکر۔" راحمہ بھابی استہزائیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"راحمہ! یہ اس کا گھر ہے بالکل تمہاری طرح، یہ آ سکتی ہے یہاں۔"

"اچھا......!" سر سے لے کر پاؤں تک سر جھکائے شایان کو دیکھا۔ "حیرت ہے!" چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر مڑ کر اندر چلی گئیں۔ کچھ لمحے تک وہ جاتی ہوئی راحمہ کو دیکھتی رہیں۔ اس درجے ناروا سلوک کی راحمہ کی جانب سے امید نہیں تھی مگر انہوں نے گہرا سانس لے کر شایان کو دیکھا ابھی تو ندا پھر رعنا، اس کے بعد مریم آپا اور اس کے بعد......

"شایان، کچھ دنوں تک تمہیں یہ سب برداشت کرنا ہوگا، سب کی مخالفت کے باوجود میرا اور تمہارے ابو کا ووٹ تمہارے حق میں تھا۔ ہمارے نزدیک بچے، بچے ہوتے ہیں انہیں ایک موقع ملنا چاہیے۔ ساری زندگی کا معاملہ ہوتا ہے بیٹا۔ تم اپنے حوصلوں کو بحال رکھنا۔" آنکھوں کی سطح بھیگ رہی تھی، شایان نے سر اٹھایا اور مسکرا دی۔

"کوئی بات نہیں امی، دراصل میں نے بھی تو..."

"تم مجھے بہت بدلی ہوئی لگ رہی ہو، پہلے والی شایان سے۔" شایان نے ایک بار پھر سر جھکا لیا۔ اب کیا بتاتی وہ کیوں بدلی، کیسے بدلی، آئینہ کس نے دکھایا، محبت جنوں خیزی میں کب بدلی۔ نگاہ ٹیبل کی جانب اٹھی، چائے کی ٹرے ویسے ہی رکھی تھی۔ ٹرے آگے کر کے چائے بنانے لگی، زبیدہ رحمٰن محبت سے اسے دیکھنے لگیں اور...... اور اپنے کمرے کے ٹیرس سے یہ منظر دیکھ کر رعنا کو شدید جھٹکا لگا۔

"تو یہ...... آ گئی...... اور امی...... اتنی عزت افزائی کے باوجود اسے سر آنکھوں پر بٹھا رہی ہیں۔ آوارہ، چڑیل، تمہیں تو اس گھر میں بسنے ہی نہیں دینا اب۔" تنفرانہ انداز میں سوچا اور اندر چلی گئیں۔

اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اس کا سامنا ندا بھابی سے ہوا۔

"ارے تم، کب کس کے ساتھ آئیں۔" انہیں دیکھتے ہوئے جان نہ سکی، حیرت ہے، طنز ہے یا خوشی۔

"عباد...... تو" اس کا ناقدانہ انداز میں جائزہ لیا۔ "اور عباد لے کیسے آیا۔ اتنی نفرت کے باوجود..."

"جی!" وہ کچھ نہیں (نفرت...... کیسی نفرت، اگر نفرت قائم رہتی تو لے کر آتے، اب تو صرف ناراضی ہے، خفگی ہے، میں...... میں منالوں گی)

"اور یہ تمہارے لباس کو کیا ہوا؟" "اب یہ نیا روپ بھر کر، نئے ہتھیاروں سے لیس ہو کر آئی ہیں سسرال میں۔" راحمہ بھابی بھی آ گئیں۔

"لگتا ہے زبان بھی ادھر ہی رکھ آئی ہے۔" دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسی۔ شایان گومگو کی کیفیت میں تھی۔

"میں تو حیران ہوں کہ عباد لے کیسے آیا، وہ تو..."

ذومعنی انداز، بامعنی اشارے، تضحیک بھرا انداز و رویہ۔ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

بے شک، اس نے راحمہ بھابی، ندا بھابی کے ساتھ بدتمیزی کی تھی ان کے بچوں کو مارا تھا، زبان چلائی تھی ان کے بارے میں بھی جھوٹی افواہیں اڑائی تھیں، وہ معافی مانگنے ہی آئی تھی۔ دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ "مجھے معافی مانگنے کا موقع تو دیں۔" لائٹ آن کی۔ اک مسحور کن احساس خوشبو بن...... کر رگوں میں سرائیت کر گیا۔ ٹھنڈک و سکون نے اپنے پر پھیلائے۔ سامنے ہی دیوار پر ان کی انلارج تصویر لگی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر ایک فریم تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کا سامان، گلابی میرون پردے، میرون کارپٹ، دریچے پر پھیلے پردے۔ دھیرے سے صوفے پر بیٹھ کر مسکراتے ہوئے سکون کی سانس لی۔ "اب تو میں آ گئی ہوں نا جس کے بھی دل میں تنفر، نفرت، شکوہ، شکایت ہوگی سر جھکا کر سنوں گی اور اپنے بدلے لہجے اور سلوک سے سب کو خوشیاں دوں گی۔" مسرت و خوشی کے دیے اس کے گرد روشن ہو گئے۔

"عباد۔" اٹھ کر سائیڈ پر رکھی اس کی تصویر کو اٹھا لیا۔ "مجھے آپ سے معافی مانگنی ہے بہت زیادہ...... اور......" اور دھیرے سے فریم کی سطح پر ہاتھ پھیرا۔ "آپ کو یہ بتانا ہے میرے دل میں آپ کی کتنی محبت ہے اور...... اور میں پہلے جیسی نہیں رہی۔" فریم بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ بھرپور زندگی کا خواب اس کی آنکھوں میں بس گیا "میں جانتی ہوں آپ کا غصہ، نفرت مگر مجھے خود یہاں لانا، نفرت میں کمی کا ہی تو باعث ہے نا......" مسکان گہری ہونے لگی۔ تن من میں محبت کے سارے رنگ مل گئے۔

☆☆☆

رات کھانے کی ٹیبل پر دل کو سنبھال کر آئی تھی۔ راحمہ بھابی اور ندا بھابی کے سلوک نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ امی نے محبت سے اپنے برابر میں بٹھایا۔ رحمٰن صاحب نے خوشی کا اظہار کیا۔ اویس بھائی، یاسر بھائی اور فہد بھائی کا انداز سرسری سا تھا۔ اسے حیرت ہوئی عباد گھر نہیں آئے تھے اور سب ان کے بغیر ہی رات کا کھانا کھا رہے تھے جب کہ اس کے سسرال کا معمول تھا سب مرد گھر میں آجاتے تھے تو کھانا کھایا جاتا تھا۔ بچوں کو کھلا دیا جاتا تھا لیکن اب ڈائننگ ٹیبل پر نگاہ کی۔ دوسرے لمحے چونک گئی۔ رعنا بھابی بھی نہیں آئی تھیں۔

"تو کیا؟" وہ سوچ کر رہ گئی۔ تاہم رعنا بھابی کی ثریا اور فخر نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یاسر بھائی کا فرخ اسے دور دور سے مسکرا کر دیکھتا رہا ندا بھابی کی ماہ نور پرام میں بیٹھی تھی۔ کھانا کھا کر شایان اپنے کمرے میں آ گئی۔ عباد ابھی تک نہیں آئے تھے اور...... اور کسی کو پروا ہی نہیں تھی ہوسکتا ہے سب کے علم میں ہو عباد بتا کر گئے ہوں اس کا انتظار بے چینی کو بڑھا رہا تھا۔ اِدھر اُدھر ٹہلتی رہی۔ ٹیرس میں کھڑی ہو گئی۔ اس بے چینی میں عشا کی نماز بھی پڑھ لی۔ آہستہ آہستہ سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔ گیارہ بج رہے تھے۔ وہ باہر لان میں آ گئی۔ آخری راتوں کا چاند بادلوں کے ساتھ ہم رقص...... گاہے بگاہے نکل رہا تھا چاروں طرف اک گہری خاموشی تھی۔ دھیرے سے لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی ساتھ ہی مین گیٹ تھا جس کے اطراف میں عشقِ پیچاں کے پھول پتے لٹک رہے تھے۔ مسکراہٹ ہونٹوں سے کھیلنے لگی۔ سامنے سے ابھی کچھ دیر میں عباد کی گاڑی آئے گی انہیں اس سے کتنی شکایات

تھیں۔ ”شایان تم کبھی رات گئے تک میرا انتظار نہیں کرتیں۔ میرا انتظار کیے بغیر سو جاتی ہو۔ صبح میری خواہش ہوتی ہے تم مجھے ناشتا دو۔ میرے ساتھ کرو ناشتا‘ گیٹ تک مجھے سی آف کرو۔ شام کو سج دھج سے میرے لیے تیار رہو مگر...“ وہ خفگی سے اسے دیکھتا تھا۔

”مجھے تو لگتا ہے میں نے محبت پا کر غلطی کی ہے تم میرے لیے ہو نہ سج دھج میرے لیے تم تو بس دوسروں کے لیے تیار ہوتی ہو۔“ ہتھیلیوں کی اوک میں چہرہ تھام کر مسکرائی۔

”اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی عباد میں بالکل نئی لڑکی کے روپ میں آپ کو ملوں گی۔ آپ کی محبت...... آپ کی محبت کی تعبیر بن کر۔“ خواب آنکھوں میں جھلملانے لگے۔ آنے والے لمحوں کا سوچ کر ہی چہرہ گلاب رنگ ہو کر پلکوں کو جھکا گیا۔

”مجھے بھی آپ سے محبت ہو گئی ہے اور......“

”شایان......!“ آہٹ پر بے اختیار پلٹی۔ زبیدہ رحمٰن کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔

”جی امی!“ شایان کھڑی ہو گئی۔

”یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ بجے رات کا ایک بج رہا ہے۔“

”ایک۔“ وہ چونکی۔ ”امی وہ ابھی تک نہیں آئے۔“ خوف اور پریشانی ایک ساتھ اس پر حملہ آور ہوئی۔

”وہ نہیں آئے گا بیٹا!“

”جی......“ چونک کر مڑی۔ ”کیوں؟“ بے ساختہ سا انداز تھا۔

”تمہیں عباد نے نہیں بتایا۔“

”نہیں!“ دھیرے سے سر ہلا اور سینے میں سانسیں جانے کیوں رکنے لگیں۔

”عباد چلا گیا ہے فرانس کورسز کے سلسلے میں۔“

”کیا......!“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھا اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا آنکھوں کے آگے ستارے ناچنے لگے۔

”ایک سال بعد آئے گا۔“ زبیدہ بیگم دھیرے سے قریب آ گئیں۔ اس کا ہاتھ تھاما ”وہ خفا ضرور ہے تم سے مگر مان جائے گا اس کا جانا ضروری تھا کہہ رہا تھا کہ واپس آ کر تمہیں لے آؤں گا مگر میں نے کہا کہ بہو کو گئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے اسے واپس لے آؤ‘ اپنا گھر ہی اپنا ہوتا ہے۔“

دھیرے دھیرے چلتی بات کرتی وہ اس کے کمرے میں آ گئیں وہ خالی ذہن‘ خالی دل‘ خالی وجود لیے گویا گھسٹتی ہوئی آئی ہو۔ شکوے‘ شکایت‘ ناراضیاں‘ خفگیاں آپس میں مل کر دور ہوتی ہیں‘ غلطیاں‘ کوتاہیاں‘ جھگڑے باہمی بات چیت سے ختم ہوتے ہیں۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ شایان کو کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے گرد سائیں سائیں کرتا سناٹا تھا۔ ”عباد چلا گیا۔ اسے چھوڑ کر‘ کچھ کہے بغیر...... اسے معافی دیئے بغیر۔ تو...... تو...... نفرت اس کے دل میں سلامت تھی۔“

”مجھے تم کبھی بری نہیں لگیں۔ ٹھیک ہے کہ میرا اختلاف تھا کہ عباد کی دلہن بھی اپنی پسند سے لاؤں مگر پھر اس کی خوشی میں‘ میں خوش ہو گئی تھی۔“ زبیدہ رحمٰن بتا رہی تھیں۔

”دراصل کوئی خود برا نہیں ہوتا۔ اس کی عادتیں اس کی صحبت اس کی گیدر رنگ بری ہوتی ہے۔ نفاس کو نکاسی کا راستہ مل جائے تو سب کچھ صاف ہو جاتا ہے اور اگر گند غلاظت جمع ہوتی رہے تو تعفن‘ بدبو ٹھہرنے نہیں دیتی۔ تم اس گھر میں دوبارہ میری ایما‘ میری خواہش پر آئی ہو۔ دوسروں کا رویہ قدرے درشت ہو گا مگر پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ زبیدہ رحمٰن اس کا ہاتھ تھامے اسے دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھیں اور وہ غائب دماغی سے انہیں دیکھتی رہی۔

”تم سو جاؤ‘ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ کھڑے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر باہر نکل گئیں۔ اس کا بیگ سامنے پڑا تھا۔ سرخ‘ گلابی‘ سبز جوڑے‘ وہ چنری کا سی گرین سوٹ جو خصوصی طور پر لیا تھا اور...... اور...... وہ...... عباد کے لیے خصوصی طور پر لیا گیا گفٹ۔ اس کے وجود سے ایک نئی لڑکی نے جنم لیا تھا۔ خواہشیں‘ خواب بھی نئے تھے۔ سب...... سب۔ خالی نظروں سے کمرے کا طواف کیا۔

”عباد...... اتنی نفرت۔ میرے کیے کی اتنی بڑی سزا۔ مجھے نہ لاتے۔ مجھے وہیں پڑا رہنے دیتے۔ آپ کے آنے کی آس و امید تو رہتی۔ یہاں آ کر تو سب کچھ خاکستر ہو گیا۔ آس و امید سیاہ ساعتوں کے مانند میرے وجود میں پنجے گاڑے گی تو پھر ٹھیک ہے کہ نظر و دل سے گرا ہوا شخص کبھی بھی دل کی مسند پر دوبارہ براجمان نہیں ہوتا۔ محبتیں دوبارہ نہیں ملتیں۔“ آنسو آنکھیں‘ رخسار‘ گریبان اور پھر دامن کو بھگوتے چلے جا رہے تھے۔ ”عباد...... ایک...... موقع تو دیتے۔ میں سب داغ دھو دیتی۔ اپنے دیئے سب دکھوں کا ازالہ کر دیتی۔ ایک بار...... ایک بار...... تو میرے اندر کی نئی لڑکی کو آزما لیتے۔ ایک بار...... ایک بار......“ سسکیوں اور کراہوں نے اس کے وجود کو ہلا ڈالا۔

”لعنت ہے میری زندگی پر!“ درد مسلسل نے اس کے وجود کو احاطے میں لے لیا۔ درد کے بگولے اٹھے اور اس کے تن من میں رقص ہونے لگے۔ نڈھال‘ بدحال سی وہ ایک جانب لڑھک گئی ”لعنت ہے میری زندگی پر۔“

☆☆☆

”امی‘ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ عباد کو اتنی نفرت تھی تو اسے لے کر کیوں آیا۔ خود تو چلا گیا بلا ہمارے سروں پر مونڈھ کر۔“ یہ رعنا بھابی تھیں۔

”عباد کو دوبارہ اعتماد و اعتبار کیسے آ گیا کبھی حرکتیں اور طریقے بھی بدلتے ہیں۔ پہلے گزشتہ باتوں کا حساب تو لے لیتا‘ ہونہہ“ یہ راحمہ بھابی تھیں۔

”میں تو منہ نہیں لگاؤں گی‘ ہونہہ“ یہ ندا بھابی تھیں۔ تینوں جٹھانیاں اور ساس لاؤنج میں تھیں۔ زبیدہ رحمٰن خاموشی سے تینوں کی سنتی رہی تھیں۔

”اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ بدزبان عورت ہے وہ۔ جانے کب کہاں کیا چکر چلا دے۔ اس کے سائے سے بھی بچنا چاہیے۔“ رعنا بھابی کے دل کا غبار اور غصہ اسی طور نکلتا تھا بس چلتا تو شایان کو کچا کھا جاتیں جس نے ایک بار پھر ان کی پلاننگ خراب کر دی تھی۔ ایک سرد سی لہر باہر کھڑی شایان کے وجود میں سرایت کر گئی۔ دھیرے سے دیوار پکڑ کر سہارا لیا۔

”یا...... اللہ“ نم سی آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔ آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔ ”اے اللہ...... میں نے تیرے بندوں کا دل جانے کس طرح دکھا دیا۔ تیرے بندے ناراض...... تو بھی ناراض مجھے موقع دے۔ ایک موقع ایک بار میں انہیں راضی کر لوں۔ اس ناراض‘ خفا شخص کو راضی کر لوں تو بھی راضی ہو جائے گا۔ مجھے ہمت دے‘ حوصلہ دے۔“

”دیکھ لیجیے چار بج رہے ہیں مہارانی صاحبہ باہر نہیں آئیں اور آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ بہت بدل گئی ہے۔ کیا رنگ ڈھنگ بدلے ہیں‘ کون سا عباد تھا یہاں...... جو کہ“ رعنا بھابی کا کسیلا لہجہ...... اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

”کام کروائیں اس سے‘ چودھرائن نہ بنائیں۔ گھر ہے سمجھائیں اسے۔“

”وہ سمجھ جائے گی‘ تم لوگ دیکھنا وہ بہت بدل گئی ہے۔ دراصل اسے عباد کے جانے کا پتا نہیں تھا اس لیے شاکڈ ہو گئی۔“

”اوہ......“ تینوں جٹھانیوں کی بے ساختہ بامعنی ہنسی۔“ وہ اندر تک کٹنے لگی۔

”نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔“ تمسخرانہ لہجہ۔ بے ساختہ پلٹ کر اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔ آنسوؤں نے دھند پھیلا دی۔ وہ تو معافی مانگنے جا رہی تھی مگر......

”تم...... ان سب سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگ لینا شایان‘ معافی ایک ایسا عمل ہے جو دوسروں کے دلوں کو صاف کر دیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو ان کے ماتھے کے تیور نہ بدلیں تو اپنی اطاعت و فرمانبرداری اور خدمت سے ان کے دل جیت لینا۔ تم واپس جا رہی ہو‘ عباد تمہیں لینے آ رہا ہے۔ وہی تمہارا مستحکم گھر ہے تمہیں اب ادھر ہی اپنے پاؤں جمانے ہیں تو اپنی وفا شعاری سے ان کے دل جیت لینا۔“ آنی کے لہجے اور لفظوں کی بازگشت اس کے اطراف بکھرنے لگی۔ ساری رات کی جاگی صبح کی بھوکی وہ اپنے منتشر حواسوں اور بے ربط رابطوں کو بحال کرتی رہی۔ پہلی گزرگاہ معافی تلافی کی بنائی تھی پہلا قدم اٹھا کر ان تک پہنچی تھی کہ نڈھال وجود کے ساتھ واپس آ گئی۔

اس وقت اسے مضبوط سہارے کی ضرورت تھی مگر

سہارا...... بے ساختہ سائڈ ٹیبل پر رکھی عباد کی تصویر پر بھیگی نگاہ ٹھہری۔ سہارا تو اس کی عاقبت نااندیشی سے آگے پھسل گیا۔ اب تو دکھوں اور اذیتوں کے لق و دق صحرا میں تنہا بے یار و مددگار کھڑی تھی۔ ''اب تو آپ کے دل میں اک بار گھر بنانا ہے۔ از سرِ نو محبت کے محل کی تعمیر کرنی ہے۔'' آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔ ''میرے دل میں محبت سلامت ہے بلکہ اس کی شدت میں اور اضافہ ہوا ہے آپ کو پانا ہے۔'' آنکھیں جھلملا گئیں۔ ''زندگی کو نئے سرے سے یقین اور اعتبار کا پانی دینا ہے۔'' بھیگے مژگاں خشک کیے۔ تصویر کی سطح پر افسردگی سے ہاتھ پھیرا ''ان سب کو پانے کے لیے صبر و برداشت کے راستے سے گزرنا ہے۔ آنی کہتی ہیں اب تمہیں سر اٹھا کر نہیں سر جھکا کر چلنا ہے کیونکہ صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ۔'' دھیرے سے کھڑی ہوئی۔ ''بے حسی کی چادر اوڑھ کر وفا شعاری سے سر جھکا کر صبر و برداشت کے راستے سے گزرنا ہے۔ باہر میرے لیے کچھ نہیں اب...... سب گدھ ہیں بھوکے ننگے ہوس زدہ...... دولت پیسے کے بھوکے۔'' دھیرے سے دروازہ بجا۔ ملازمہ صغرا اندر آ گئی۔

''بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں جی!''

''آتی ہوں۔'' خود کو سنبھالا...... اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ یہ حوصلہ کافی تھا زبیدہ رحمٰن کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔

''دیر تو لگے گی مگر زیادہ دیر نہیں۔'' آس اور امید کا دیا پکڑ لیا۔ سب لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رعنا بھابی نے منہ پھیر لیا۔ راحمہ بھابی نے طنز سے دیکھا اور ندا بھابی ذو معنی انداز میں ہنسیں۔ زبیدہ رحمٰن اسے دیکھ رہی تھیں۔

''آؤ بیٹا......!'' وہ دھیرے سے چل کر ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ ایک نگاہ سب کے تنے ہوئے چہرے تیکھے ابرو کھینچی ہوئی کمان اور کروفر سے اٹھی گردنوں کو دیکھا۔ سب اس کے آنے سے اٹھنے کے لیے پر تولنے لگے۔

''میں آپ سب سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگتی ہوں۔ بے شک میں نے کم فہمی کی وجہ سے آپ سب کا دل دکھایا میں کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ کو مجھ سے شکایت نہ ہو۔''

''شکایت......'' رعنا بھابی نے کروفر سے دیکھا۔ ''شکایت تو جب ہوگی نا جب ہم تم سے رابطہ رکھیں گے۔ خبردار جو مجھے پکارا بھی۔'' وہ غصے سے پھنکار رہی تھیں۔

''اونہہ شریف زادی آئی ہے بڑی بن کے۔'' رعنا بھابی اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔ راحمہ بھابی ان کے پیچھے تھیں۔ ندا بھابی رخ پھیر کر اس کی شکل دیکھ رہی تھیں کسی کو حالاتِ حاضرہ کی باخبری کے لیے موجود رہنا تھا۔ سو وہ تھیں۔ زبیدہ رحمٰن نے اس کی متورم پلکوں، جھکی ہوئی نگاہ کو دیکھا۔

''امی!'' رخ پھیر کر ہاتھ تھام لیا۔ امی آپ بھی مجھے معاف کر دیجیے گا میں نے آپ کی دل آزاری کی، دل دکھایا اس کی ہی سزا ملی ہے۔''

''سزا...... کیسی سزا'' ندا بھابی چونک گئیں۔ زبیدہ رحمٰن نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما اور دھیرے سے اسے ساتھ لگا لیا۔ جانے کیسی محبت، کیسی ہمدردی، کیسا ترس شایان کے لیے ان کے دل میں اُمڈ رہا تھا۔ بے شک اس نے برا کیا تھا۔ ان کا دل دکھایا تھا مگر اچھائی بھی تو کر رہی تھی۔ بڑوں کو اپنے دل، ظرف بڑے رکھنے چاہئیں۔ بڑوں کی بڑائیاں ہی چھوٹوں کے لیے مشعلِ راہ ہوتی ہیں۔ ان کے سینے میں سمٹ کر شدت سے بلک بلک کر رونے کی خواہش بہت ہوئی۔ بمشکل اپنی سسکیوں، آنسوؤں پر کنٹرول کیا۔ ان سب کے درمیان رہنے کے لیے حال میں جینا تھا ورنہ عباد کے جانے نے اسے توڑ ڈالا تھا۔ ندا بھابی...... اونہہ کہہ کر طنزیہ نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئیں۔

''یہ رویے یہ انداز تم برداشت کرنا بیٹا۔ سب دل کی اچھی ہیں۔ بس تھوڑا سا غصہ تھوڑی سی خفگی ہے۔ کچھ عرصے میں دور ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' زبیدہ دھیرے دھیرے اس کا ہاتھ سہلا رہی تھیں اور وہ تو ویسے ہی آگہی اور فہم کے راستے سے گزر کر آ رہی تھی۔

''میں تمہاری بات کرواؤں گی عباد سے...... اور کان کھینچوں گی کہ تمہیں بتا کر کیوں نہیں گیا۔'' زبیدہ رحمٰن نے

اس کا دل بہلایا...... اور دل ایسی باتوں پر نہیں بہلتا...... جب سچ اور زیرک نگاہیں سامنے ہوں۔ فون بیل پر انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ شایان کی آنی کا فون تھا۔

''لو! بات کرو......'' ریسیور اس کی جانب بڑھا دیا۔

''ہیلو! شایان کیسی ہو؟'' دوسری جانب آنی تھیں۔

''ٹھیک ہوں۔''

''اور عباد......''

''جی سب......''

''مجھے کل اس کا انداز اچھا نہیں لگا بہت فکر مند تھی۔ سب ٹھیک ہے نا۔''

''جی!''

''شکر ہے اللہ کا! اب تم سنبھل کر رہنا۔ جیسا میں نے سمجھایا ہے۔''

''جی!'' وہ سن رہی تھی۔

''خبردار جو پرانے دوستوں سے رابطہ بڑھایا۔''

''جی!''

''تمہارے پپا کا فون آیا تھا آنے کا ارادہ کینسل ہو گیا ہے۔'' ''پپا......!'' اس کا دل بھر آیا۔ کوئی اس کا اپنا بھی تھا۔

''آنی، پپا سے کہیے گا میں یاد کرتی ہوں۔ کبھی مجھے فون کر لیں۔'' آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

''بیٹا کہہ کر، مانگ کر محبت نہیں ہوتی۔ دل کے احساس سے محبت ہوتی ہے۔ شایان تمہارے باپ کو پیسوں سے پیار ہے بس۔ تم چپ ہو، تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا۔''

''جی......!''

''اچھا خدا حافظ'' اس نے فون رکھ دیا۔ بمشکل مسکرا کر بھرائی ہوئی نگاہ ساس پر ڈالی...... نظر چرا کر وہ پاندان کھول رہی تھیں۔ ساری محبتیں اس سے روٹھتی جا رہی تھیں، معلوم نہیں ان محترم خاتون سے محبت کا رشتہ ہے یا اپنائیت کا۔ آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔ جو خوامخواہ ہی بھیگتے جا رہے تھے اور دل کا درد بڑھا رہے تھے۔

☆☆☆

''صبا اپنی منگنی کو راز رکھ رہی ہے۔''
''تو پھر تمہیں کس نے بتایا؟''
''خود صبا نے ہی بتایا ہے۔''

☆☆☆

اس کی معافی کے باوجود ان کے تضحیک آمیز رویوں میں کوئی فرق نہیں آیا، بات چیت تو درکنار اس کے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ مریم پھپھو سے بھی معافی مانگ لی۔ تاہم اسے دیکھتے ہی انہوں نے اس کے خوب لتے لیے تھے۔ اچھی طرح سے ڈانٹ پھٹکار کی اور وہ سر جھکائے سنتی رہی۔

''تمہارا ہی حوصلہ ہے زبیدہ جو اس برائی کی پوٹ کو گھر لے آئیں، میں ہوتی تو وہیں جلنے سڑنے کے لیے چھوڑتی اور بیٹے کا دوسرا بیاہ رچاتی۔ عباد اسے لا کر چلا کیوں گیا۔ کہیں تم نے زور تو نہیں ڈالا تھا......'' شایان کو اندر تک کرنٹ لگا۔

''اگر تم نے ڈالا بھی تھا تو بے فائدہ۔ تمہیں کیا فائدہ ہوگا جب کچھ عرصے بعد بھی اسے آ کر چھوڑنا ہی ہے۔ تم اس کی دوسری شادی کر دیتیں۔''

''آپا...... ہمارے خاندان میں کب دوسری شادی ہوئی ہے کسی کی۔ اللہ اس کا گھر بسائے رکھے۔ انسان خطا کا پتلا ضرور ہے پھر اپنے کیے کا پاس بھی کر لیتا ہے۔''

''اونہہ!''

''معاف کر دیں آپا بچی ہے ناسمجھ، ماں سر پر نہیں کون سمجھاتا...... اب عقل آ گئی ہے تو سب ٹھیک ہے۔'' محبت سے اسے دیکھا۔

''خاک ٹھیک ہے یا پھر تلپٹ ہو گیا ہے۔'' آپا مریم نے پاندان اپنی جانب کھینچا۔

''تم جانو، تمہارے گھر کا معاملہ ہے۔ برائے مہربانی اسے دوبارہ میرے گھر کی راہ مت دکھانا۔'' صاف کھرا لہجہ تھا۔ وہ اندر تک شرمندہ تھی۔ رعنا بھابی طنزیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ صبر و برداشت کا دامن اس نے

مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ اس آنچل میں ہی اس کی بقا تھی۔

وہ خود پر حیران تھی۔ ذرا سی کسی کی بات برداشت نہ کرنے والی کیسے ثابت قدم ہوگئی تھی۔ اس کے اندر اتنا تحمل کیسے آیا' نماز پڑھنے سے' دین کی کتابیں پڑھنے سے۔ صحیح راہ کا تعین کرنے سے یا اس آگہی نے یہ درس دیا جس نے اس کے وجود کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ سر جھکا کر سارے قصور' ان کی سزا سمیٹ رہی تھی...... کیوں! ناراض دلوں کو منانے کے لیے' روٹھے ساجن کو گھر بلانے کے لیے اور کیا معلوم...... ساجن اس کا تھا بھی کہ نہیں۔ امی نے کیوں عباد پر زور دے کر بلایا۔ کیا عباد کی بالکل مرضی نہیں تھی کہ اسے بلاتا۔

کیوں' کیوں......؟ سوالوں کے آکٹوپس اسے ہر لمحہ ہر آن جکڑے رہتے۔ تنہائی' اکیلے پن نے اس کے اندر ایک نئی روشنی پھیلا دی تھی۔ علم و آگہی کی روشنی۔ اس روز سیڑھیوں پر بیٹھی اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کر رہی تھی کہ آہٹ پر چونکی۔ پیچھے زبیدہ رحمٰن تھیں۔

"کتابیں پڑھنا اچھی عادت ہے' اس عادت کو برقرار رکھنا چاہیے۔"

"جی!" وہ اس کے پاس سے گزر کر لان میں رکھی چیئر پر جا کر بیٹھ گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے اٹھ کر ان کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

"یہ ہمیں بعض اوقات وہ کچھ سکھا دیتی ہیں جو ہم انسانوں سے نہیں سیکھ سکتے یا انسان ہمیں نہیں بتا سکتے۔ کتاب انسان کی بہت اچھی ساتھی ہے۔ ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیے۔"

"جی......"

"کھانا پکا لیتی ہو؟"

"تھوڑا بہت آنی نے ابھی سکھایا ہے۔" شرمندگی سے سر جھکایا۔

"کھانا پکانا مجھے بھی نہیں آتا تھا مگر میں نے صرف عباد کے ابو کی وجہ سے سیکھا۔ انہیں اچھا کھانے کا شوق تھا۔ انسان کھانا پکانا صرف دو طریقوں سے سیکھتا ہے۔ شوق کی وجہ سے یا پھر شوہر کی وجہ سے۔"

"امی مجھے بھی اچھا کھانا پکانا سکھایئے گا۔" معصوم سے بچے کی سی معصومیت سے کہا۔

"ہاں ضرور...... میں تمہیں وہ تمام ڈشز سکھاؤں گی جو عباد کو پسند ہیں۔" وہ اندر تک کپکپا گئی۔

"جانتی ہو عباد کو کیا پسند ہے؟" خفت سے سر اس نے سر جھکایا۔ کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی جب ہوش آیا تو....

"اسے وہ سب پسند ہے جو اس کی ماں پکائے۔ فرمائش کر کے وہ کریلا اور فرائی قیمہ بنواتا ہے۔" وہ سر جھکائے سنتی رہی۔ ماں بیٹے کی محبت سے مشروط باتیں۔

(کیا آپ میرے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھا لیں گے)

"ارے' میں نے تمہیں ایک بات تو بتائی نہیں۔ اسلام آباد سے فضیلہ آرہی ہے کل بچوں کے ساتھ۔ دل چاہ رہا تھا اس کا آنے کو عباد کی شادی پر آئی تھی۔" اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کی مخالفت کا ایک اور ووٹ...... رنگ زرد ہوگیا۔

"تم کسی بات کی فکر مت کرنا۔ زندگی اسی طرح کی عبارتوں سے مزین ہے۔ اس کے سامنے زیادہ مت آنا۔ غصے کی تیز ضرور ہے مگر دل کی بری نہیں۔" یکلخت ہی اس کی جانب جھک کر تسلی آمیز انداز میں ہاتھ تھام کر سمجھایا۔

(یہ دل کا برا کیا ہوتا ہے' انسان کے رویے' لہجے بتا دیتے ہیں کہ دوسرا انسان کیا سمجھتا ہے اور اخلاقیات کے کس درجے پر ہے مگر...... مگر آج بھی سب پہلے والی شایان سمجھتے ہیں۔ جھکی' بے پروا' غیبت زدہ اور جھگڑالو۔ میرا دل بدل گیا ہے کسی کو نظر نہیں آتا۔ میں بدل گئی ہوں کوئی دیکھتا نہیں۔ رویے' لہجے' ضابطے اور اخلاق کسی نے پہچانا نہیں تو......تو)

"انسان اپنی چپ کی بکل سے بھی دوسروں کے دل جیت لیتا ہے۔ بیٹا" چپ تو اس کی ذات کا حصہ بنتی جا رہی تھی اس کی ذات کا عرفان یہ کتابیں...... غیر محسوس انداز میں آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ زبیدہ رحمٰن اسے اور بھی بہت کچھ سمجھا رہی تھیں۔ قطرہ قطرہ آگہی دل کے سمندر میں جمع ہوتی جا رہی تھی۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

دل کے رشتے

کرن نورین

"یہ میری بھانجی ہے' یتیم تو چند سال پہلے ہی ہوگئی تھی اب چند ماہ پہلے میری بہن کا بھی انتقال ہوگیا۔ بس میں چاہتی ہوں جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔" جمیلہ خاتون نے لڑکے کی ماں سے کہا۔

"ٹھیک ہے بہن ہمیں تو لڑکی پسند ہے ہم باقی گھر والوں سے مشورہ کر کے فون کر دیں گے۔" لڑکے کی ماں اور بہن اٹھ گئیں۔

دوسرے دن ہی لڑکے والوں نے ہاں کہہ دی۔ فرخندہ کے والدین کافی رقم چھوڑ گئے تھے۔ جمیلہ خاتون نے خوش اسلوبی سے انتظام کر کے دو مہینے میں ہی فرخندہ کو رخصت کر دیا۔

نئی جگہ نیا ماحول تھا مگر فرخندہ نے اچھی تربیت کے

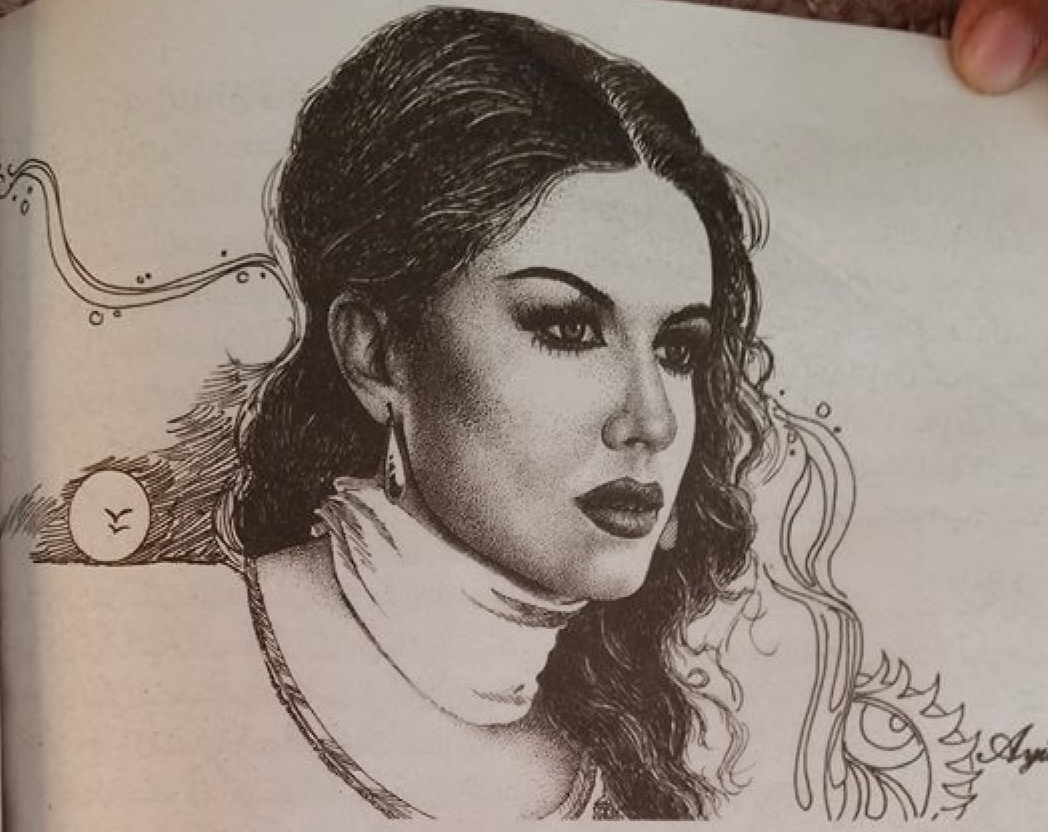

ناولٹ

اعتبارِ محبت

عالیہ حرا

آخری حصہ

اگلے دن فضیلہ آ گئی۔ گھر کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا۔ شایان اپنے کمرے میں محصور ہو گئی۔ اب اس کا دل اپنے کمرے میں بے حد گھبراتا تھا۔ یوں لگتا یہ چار دیواری اس پر گر کے اس کے تمام بدلوں کا حساب چکائے گی۔ اس کا دم گھٹتا' رات کا بیشتر حصہ وہ لان میں ٹہلتے ہوئے گزارتی تھی۔ سیڑھیوں پر بیٹھ کر سوتے ہوئے صبح کر دیتی تھی۔ بیڈ اسے کانٹوں کی سیج لگتی۔ عباد کا لہجہ' اس کے قہقہے' اس کی باتیں' اس کی محبت بھری سرگوشیاں اور..... خود اس کی عاقبت نااندیشی اس کے وجود میں آگ لگا دیتی۔ وہ کیوں تھی ایسی۔ کیسے ہو گئی ایسی! اس کا دل دکھتا رہتا تھا جانے والے نے پلٹ کر پوچھا ہی نہیں تھا۔ "تم کیسی ہو؟"

لاؤنج میں محفل آباد تھی۔ سب جمع تھے ابو اور امی اس رونق سے مسرور ہو رہے تھے۔ فضیلہ کے بچے ان کی گود میں چڑھے ہوئے تھے وہ اپنے کمرے میں سب آوازیں سن رہی تھی۔

قہقہے، محبتیں، زندگی کے رنگ...... اپنائیت کے سنگ۔ ایک اس کی ذات...: جس سے جینے کا ڈھنگ بھی چھین لینا چاہتے تھے۔

''عباد بھی ہوتا تو مزہ آجاتا جانے پھر میرا کب آنا ہو؟'' فضیلہ کی آواز بلند تھی۔

''تو بیٹا وہ تو روزگار کے سلسلے میں باہر ہے تم اس کی بیوی سے رابطہ بڑھاؤ۔'' ابو کی آواز تھی۔

''جی، کیا...... کیا۔ اس کی بیوی۔ ابھی اس گھر میں موجود ہے۔'' تحیر بھرا انداز۔

''جی اور بھرپور طریقے سے موجود ہیں حالانکہ کوئی جواز بنتا تو نہیں ہے۔ یہاں موجودگی کا امی جانے کیوں زبردستی کی بلا لے آئی ہیں۔ عباد تو طلاق دے رہا تھا۔'' یہ رعنا بھابی کی آواز تھی۔ اس کا خون رگوں میں جمنے لگا۔

''امی، کیا ضرورت تھی اس پر یہ احسان کرنے کی جب عباد چاہتا نہیں تھا، جانتی ہیں خاندان میں پہلے ہی کتنی تھوتھو ہو رہی تھی۔'' فضیلہ کی آواز خاصی بلند تھی۔ آنسو وجود کی زمین کو بھگونے لگے۔ ''کیوں آپ اسے لے کر آئیں کیا فائدہ ہے آپ کا؟''

''فضیلہ کیوں بھول رہی ہو کہ وہ اس گھر کی بہو ہے۔''

''بہو کہلانے کے بھی لائق نہیں ہے وہ۔ عادتیں اور خصلتیں بھی بدلتی ہیں کبھی۔ آپ نے اس پر اعتبار کیسے کرلیا؟''

''عباد کی ناپسندیدگی کے باوجود اسے کسی بات کا خوف تھا نہ پروا۔'' فضیلہ استحقاق سے بولتی جارہی تھیں۔

''اُف! اتنی ناپسندیدہ ہے وہ۔ اس گھر کے لوگوں کی نظر میں۔''

''حیرت ہو رہی ہے مجھے آپ کو فیصلہ کروا دینا چاہیے تھا کوئی اور اچھی خاندانی لڑکی لے آتیں اس کے لیے انسان ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے۔'' ساری آوازیں سنتی شایان نے سسکیوں کو روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''انسان بے شک ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے۔ وہ بھی سنبھل گئی ہے گڑھے میں گرنے سے پہلے پھر...... پھر یہ لوگ کیوں اسے قبول نہیں کر رہے تھے۔ بندے خدا نہیں ہوتے جو اپنے بندوں کا بڑے سے بڑا گناہ ایک طرف ندامت کی اک بوند سچی آنسوؤں کی خاطر معاف کر دیتا ہے۔''

''میں عباد کو اچھی طرح جانتی ہوں اس نے اسے نہیں بسانا۔ آپ نے ناحق اتنا بڑا فیصلہ کیا۔'' کیسا یقین تھا اس کے لہجے میں۔

''بس کرو فضیلہ، معاف کر دینے میں انسان کی بڑائی ہے۔ وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے۔''

''ہماری تو خاندان میں عزت ہو گئی نا...... تائی کے گھر چلے جاؤ۔ تمہاری بھاوج ایسی۔ پھپو کے گھر چلے جاؤ۔ کیا دیکھا تھا تم لوگوں نے شایان میں۔ اُف میں نے تو وہاں جانا چھوڑ دیا۔''

''یا اللہ......'' اس نے سر دیوار سے ٹکرایا۔ ''اس جرم کی سزا کب تک بھگتنی ہو گی۔''

''کام وام کرواتی ہیں یا مہارانی بنا کر رکھا ہے۔'' ایک اور دُرّہ!

''نہیں، کام کرنے کے لیے ہم جو ہیں۔'' راحمہ بھابی کی آواز پر اس نے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ ایسے طعنے تشنے، باتوں باتوں میں بہ آواز بلند کر رہی تھیں اور وہ سن رہی تھی۔ اسے کوئی در...... کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ رات کو وہ عشا کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے کے باوجود قرآن پاک کھولنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ دروازہ کھول کر فضیلہ اندر آگئی شایان سمٹ کر رہ گئی۔

''اوہ!'' اہانت آمیز انداز تھا۔ ''صوم صلوٰۃ کی پابند۔ کیا تہجد گزار بھی ہو۔'' چہرے کے گرد لپٹا دوپٹا۔ بھیگا بھیگا چہرہ۔ ''نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔'' سینے پر ہاتھ باندھے کینہ توز نگاہوں سے دیکھتی کھا جانے کو تیار۔

''میں چلتر، چالاک، گھنی، میسنی۔ یہی کہا تھا تم نے صالحہ سے'' (صالحہ مریم پھپو کی بیٹی تھی)

''کہاں ولید اور کہاں فضیلہ بے جوڑ شادی ہے جانے کیسے پھانس لیا۔'' شایان کا سر جھک گیا۔ یہ سب اس نے کہا تھا جانے کیوں کہا تھا بے سوچے سمجھے۔

''تم ولید کو ورغلاتی تھیں کہ کیا دیکھ لیا تھا فضیلہ میں آپ نے۔ وہ تو ولید کانوں کے کچے نہیں تھے۔ اس لیے

کوئی ایکشن نہیں لیا...... ورنہ!'' بڑے استحقاق سے اس کے سر کو جھٹکا دیا۔ وہ لڑکھڑا گئی۔ ''تم نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اب بولو مجھے بولو میں تمہارے سامنے کھڑی ہوں ذلیل لڑکی۔ جانے میرے بھائی نے تم میں کیا دیکھا جو اپنی زندگی تباہ کر لی۔'' اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

''اور تم' تم کیوں اس گھر میں رہ رہی ہو۔ عباد کے ساتھ ساتھ سارا گھر تم سے نفرت کرتا ہے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے اور ...... یہ تم!'' بھرپور اس کا جائزہ لیا۔ ''اتنی کیسے بدل گئی ہو؟ کہاں اتنی ماڈرن کہ کبھی جینز اترتی ہی نہیں تھی اور کہاں یہ...... ایسا...... کون سا ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔''

اس نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ تمسخرانہ نگاہ اس پر مرتکز تھی اور زیرک نگاہی سے اس کے لباس کو دیکھ رہی تھی۔

''کون سا گناہ چھپانا چاہ رہی ہو۔'' اس کا وجود لرز گیا وہ ''کس منہ سے یہاں رہتی ہو۔ کرو کہیں جا کر منہ کالا۔ ہمیں اپنے بھائی کی دوسری شادی کرنی ہے۔'' دھیرے سے سر اک بار پھر جھکا لیا۔ دکھ کے بھنور حلق میں اٹکنے لگے۔

''تمہاری خاموشی بڑی معنی خیز ہے اور میں بے یقین...... تمہیں یہاں ٹکنے نہیں دوں گی۔ جانے میری ماں کو کیا گھول کر پلایا ہے۔''

''فضیلہ...... فضیلہ!'' باہر سے ندا بھابی پکارتی اندر آ گئیں۔

''تم ادھر ہو ولید بھائی کا فون آیا ہے۔''

''ان کے پاؤں میں تو مہندی لگی تھی۔ سوچا جا کر مل آؤں۔'' سر سے لے کر پاؤں تک نگاہ کی اور باہر نکلنے لگی۔ ''ان کے پاؤں میں مہندی لگی ہی رہتی ہے۔'' ندا بھابی کا لہجہ طنز و تحقیر بھرا تھا۔

''فضیلہ!'' اپنے منتشر حواسوں کو کنٹرول میں کیا۔ اس کے قدم دروازے میں رک گئے وہیں سے پلٹا۔ آنسوؤں کے گولے کو تھوک نگل کر حلق سے نیچے کیا تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آواز بھرا گئی۔ ''میں نے جو کچھ بھی تمہارے ساتھ کیا۔ اس کے لیے میں تم سے شرمندہ ہوں ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' قرآن کو سینے سے لگا کر ہاتھ جوڑے۔ فضیلہ جھٹکے سے قریب آئی۔

''میرا ظرف ابھی اتنا بڑا نہیں کہ اپنی چمک کو معاف کر دوں جب تک بدلہ نہ لے لوں۔ بھتے تو تم میرے اب جڑھی ہو۔ میرے غصے کی آگ تمہیں اس گھر سے نکال کر بجھے گی اور اس وقت بالکل ٹھنڈی ہو جائے گی جب میری نند بسم یہ جگہ لے لے گی۔'' اس کے وجود کی جانب اشارہ کیا۔ اونہہ کہہ کر سر جھٹکا اور ندا بھابی کے پیچھے باہر نکل گئی۔ بھیگی برستی نگاہ کے ساتھ وہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔ دکھ کے الاؤ اس کے تن من کو دہکانے لگے۔ آہ و فغاں اس کے وجود میں رقم ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

''اسے نکال باہر کریں امی۔ کیوں جگہ دی ہے یہاں' کیا ہے اب اس کا یہاں آپ جانتی ہیں عباد کی نفرت اور اگر وہ زیادتی کی تلافی کر رہا ہے تو کرنے دیں۔'' زبیدہ رحمن نے انتہائی دکھ سے بولتی ہوئی فضیلہ کو دیکھا۔

''وہ آپ کو مرضی کرنے کا موقع دے رہا ہے اور آپ......'' اس کے لہجے میں تنفر تھا' ''اور آپ نے سوچا کہ وہ اتنی بدل کیسے گئی ہے کہاں تو وہ ماڈرن سی شایان اور کہاں صغریٰ بی بی...... ہاہاہا......'' وہ ہنسی۔

''مجھے تو دال میں کالا نظر آ رہا ہے۔ اس کی تو زبان اندر ہی نہیں رہتی تھی۔ ادھر کچھ کہا نہیں اُدھر پٹ سے جواب آیا نہیں۔''

''فضیلہ! ضروری نہیں جو غلط ہے وہ ہمیشہ غلط ہی رہے اگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو تم لوگوں کو اپنا دل' ظرف بڑا کرنے میں کیا حرج ہے۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں عباد کا دل برا کرنے کی......'' انہیں غصہ آ گیا۔

''امی......!'' ماں کو حیرانی سے دیکھا۔

''اسے کام دام پر لگائیں اب لے ہی آئی ہیں تو ڈھیل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' فضیلہ کا مزید بولنے کا ارادہ تھا مگر ماں کو تسبیح کے دانے گراتے دیکھ کر چپ ہو گئی۔

☆☆☆

''عباد!'' شب کے سناٹوں میں اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی تصویر کو دیکھتے ہوئے آنکھوں کے گوشوں کو صاف کیا مگر آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

''آپ کے لیے صرف آپ کے لئے میں نے آج فضیلہ کی اتنی سخت باتیں برداشت کی ہیں۔ مجھے آپ تک لوٹنا ہے۔ آپ کا اعتماد، اعتبار قائم کرنا ہے اور محبت کا ٹوٹا ہوا گھر پھر سے آباد کرنا ہے۔ آپ سے معافی مانگنی ہے۔ واقعی میں غلط تھی مگر اب تو صحیح ہوگئی ہوں۔ آپ مجھے معاف کردیں گے نا نفرت کے بادلوں کو سمیٹ کر...... ورنہ......'' گھٹنوں پر سر رکھے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اب رونا ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

فضیلہ جب تک تھی اس نے سامنے نہ آنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ کہیں نہ کہیں سے آکر اس پر حملہ کردیتی اور بے نقط سنا ڈالتی۔

رعنا بھابی کہیں بھی ہوں اس پر نگاہ پڑتے ہی ان کے تاثرات عجیب سے ہوجاتے۔ ایسے میں زبیدہ رحمٰن کی ذات اس کے لیے ڈھال اور محفوظ پناہ گاہ تھی۔ کہنے کو وہ اس کی ساس تھیں مگر ماں جیسی تھیں۔

انہیں اس کا خیال تھا۔ دنیا سے نرالی ساس تھیں۔ ورنہ ملکہ اور غزل نے تو ساسوں کے ایسے ایسے نقشے کھینچ رکھے تھے کہ وہ کانوں کو ہاتھ لگالیتی تھی.... ان کی وجہ سے ہی وہ الگ گھر کا مطالبہ کررہی تھی۔ مگر آج جب وہ انہیں اپنے ساتھ ساتھ محبت دیتے ہوئے حفاظت کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی تو وہ اپنی تمام گزشتہ حرکتوں پر نادم، شرمندہ تھی۔ بے شک وہ غلط تھی۔ دل ہی دل میں وہ اعتراف کرتی تھی اور اسے غلط ہونا ہی تھا۔ جب ارد گرد ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی یا کوئی اور بڑا مقدس رشتہ نہ ہو۔ آگہی دینے والے لوگ نہ ہوں۔ بے تحاشا دولت، خرچ کرنے کی آزادی اور غلط قسم کے دوستوں کا ساتھ اور بے تحاشا آزادی ہو تو اسی طرح سے غلط راہ کا تعین ہوتا ہے جو بہتر ہی لگتی ہے۔ کسی کو خاطر میں نہ لانا، بے عزت کرنا، قول و فعل میں تضاد اور دوسروں کی ہتک کرنا۔ آنٹی سارہ بہت اچھی تھیں مگر اس نے زعم اور فخر میں مبتلا ہو کر انہیں درخور اعتنا جانا ہی نہیں تھا۔ ویسے بھی انسان کی سرشت میں ہے۔ وہ ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے اور خدا جسے چاہے آگہی دے۔ اس کا کعبہ درست ہوگیا تھا۔ وہ کھائی میں گرنے سے بچ گئی تھی۔

من کے میت کو منانا تھا۔ سر جھکا کر عاجزی و انکساری سے پور پور اس کے عشق میں مبتلا...... وہ خدا کے حضور سجدہ ریز...... رہتی تھی۔

اسے بہتر اخلاق، خدمت اور وفا شعاری سے گھر والوں کے دل جیتنے تھے جو اسے گزرے وقت کے آئینے میں دیکھتے...... بلکہ دیکھتے رہتے تھے۔

☆☆☆

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا...... پہلی فلائٹ سے واپس آؤ۔'' متغیر چہرے کے ساتھ ریسیور پکڑے ہوئے زبیدہ رحمٰن غصہ ہوئیں۔ عباد کا فون آیا ہوا تھا۔ سب بات کی تھی اس نے۔

''دماغ میرا بالکل ٹھیک ہے۔ امی عروبہ بہت اچھی لڑکی ہے اس بار بھی میں اپنی مرضی کررہا ہوں۔ مگر میری مجبوری ہے۔ کل شام کو نکاح ہے اور اب میرا پاکستان آنے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہماری فرم نے ادھر ہی ایک اور فرم بنالی ہے۔ مجھے اب ادھر ہی رہنا ہے۔''

''عباد......!'' ان کا لہجہ چیخ گیا۔

''میں جانتا ہوں آپ ناراض ہوں گی۔ مجھے معاف کردیں۔ عروبہ بہت مجبور اور بے بس ہے۔ اسے یہاں فی الفور سہارے کی ضرورت ہے۔''

''عباد تم کس کس کو سہارا دو گے۔ اسے کسی رفاہی ادارے کے حوالے کردو...... یہاں تمہارے منتظر سہارے بلکتے کتنے لوگ ہیں خود تمہاری بیوی۔''

''اونہہ......'' حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا اس کی میری زندگی میں کوئی اہمیت نہیں...... میں نے آپ کے کہنے پر اسے نہیں چھوڑا۔ آپ ہی اسے سنبھالیں۔'' اس کا دل شایان کی جانب پتھر ہوگیا تھا۔

''میری زندگی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں آپ کو دوبارہ فون کرکے عروبہ کے بارے میں بتاؤں گا۔''

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" انہیں بہت غصہ آرہا تھا۔

"پلیز امی، کوئی بددعا مت دیجئے گا۔ میں پہلے ہی......"

"تمہیں میری دعا کی ضرورت ہے نہ پروا...... جو دل چاہے کرو، تم نے کبھی میری سنی ہے اور نہ کبھی سنو گے اور...... اور......" لائن کٹ گئی۔ سب ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" رحمٰن صاحب ان کی طرف متوجہ تھے۔

"امی آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں کیا ہوا۔ عباد تو ٹھیک ہے نا۔" قالین پر بیٹھی اپنے بیٹے کو کھلاتی فضیلہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔

رعنا بغور ساس کو دیکھتی کہانی معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔ وقت کی بساط پر عباد شاید کوئی اور کہانی لکھ رہا تھا۔ وہ کہانی کیا تھی۔ وہ تو عباد سے رابطہ کرنا چاہ رہی تھی کہ فاریہ کے متعلق فائنل کریں۔

مگر......! انہوں نے امی کے اترے چہرے کو دیکھا۔ اس وقت شایان چائے کی ٹرے تھامے اندر آگئی۔

زبیدہ رحمٰن اسے دیکھتی رہ گئیں۔ سر جھکائے خاموشی سے اس نے کپ سرو کیے اور باہر نکل گئی۔

اس گھر کے لوگوں نے اب اسے ملازمہ بنا ڈالا تھا۔ کل وقتی ملازمہ۔ جب سے بیماری کی وجہ سے طویل چھٹی پر گئی تھی۔ اس کی جگہ شایان نے لے لی تھی بلکہ رعنا، راحمہ اور نور نے منتقل کردی تھی۔ ان کے سینے میں ٹھنڈا سانس اٹک گیا۔ "کیسی بدنصیب بچی ہے۔"

"امی بتایئے نا کیا ہوا......" اویس اور فہد بھی ان کی جانب متوجہ تھے۔

"عباد شادی کررہا ہے۔" چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"ہیں! کیا......! اچھا...... کمال ہوگیا۔ اس میں اتنی افسردگی کی کیا بات ہے...... اچھا ہوا امی اس نے اپنا گھر بسالیا۔" "یہ اس کے لائق تھی اور نہ ہے۔ جسے آپ نے زبردستی سر پر مسلط کرلیا ہے۔" فضیلہ نے ناک سکوڑ کر کہا......

"نکال باہر کریں اسے" ایک نیا مشورہ دیا۔

"امی کو ہی شوق ہے بیکار لوگوں کو پناہ دینے کا۔" رعنا کیوں پیچھے رہتیں۔

"بیکار کیوں! اتنے کام کی ہے بچ میرے دونوں بچوں کو سنبھالتی ہے۔ میرے حصے کا کچن کا کام کرتی ہے۔ مفت کی ملازمہ......" راحمہ ہنسی۔ زبیدہ رحمٰن کو بے حد دکھ ہوا۔

"یہ سب لوگ کس درجہ اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہیں کوئی رشتہ نہ دیں مگر بحیثیت انسان تو اہمیت دے سکتے ہیں۔ ان کا دل مزید برا ہوا۔ اپنا کپ ایسے ہی چھوڑ کر اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔ رحمٰن صاحب نے کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

"اب آپ امی کو سمجھائیں، کتنا غلط کررہی ہیں جب عباد اس رشتے کو ختم کرنا چاہتا ہے تو امی بضد ہیں کہ یہ رشتہ قائم رہنا چاہیے حالانکہ...... نااہل ہے وہ......"

"خوامخواہ رکھنے کا جواز ہے یہاں......" رعنا کا بس چلتا تو لمحہ بھر میں چلتا کردیتیں۔

"میرے خیال میں اس رشتے نے ٹوٹنا ہوتا تو اسی پل ٹوٹ جاتا جب اس کی شروعات ہوئی تھیں۔ اب تو شایان بھی بہت بدل گئی ہے۔ عباد کو اس کے متعلق سوچنا چاہیے تھا اک نیا قصہ۔!" ان کا لہجہ سوچتا ہوا تھا۔

"تو آپ اب ختم کروادیں......" فضیلہ کی ناگواری برقرار تھی۔ وہ بھی...... عباد کی آس لگائے بیٹھی تھی مگر......

"اب مشکل ہے تمہاری ماں نہیں چاہتی۔" رحمٰن صاحب بولے۔

"امی تو بس نا......!" رعنا اور راحمہ ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئیں رعنا کا انداز ذومعنی تھا۔

☆☆☆

زبیدہ رحمٰن بہت ملول واداس تھیں۔ عباد کے فون نے انہیں بے حد دکھ دیا تھا۔ انہیں شایان پر ترس آرہا تھا۔ کس لئے تھی وہ یہاں...... اسے عباد کا انتظار تھا۔ وہ آئے گا اور دوبارہ سے نئی زندگی شروع ہوگی۔ مگر...... اس نے کیا، کیا...... کیا واقعی عباد کے دل میں شایان کے لئے جگہ نہیں...... تو پھر وہ کیوں......! کیوں اسے بسانا چاہ رہی

ہیں۔

فون پر ہمیشہ اسے بتایا تھا شایان کے متعلق ”بہت بدل گئی ہے وہ۔ بالکل نئی لڑکی۔ اس کا حلیہ، لباس، اخلاق عام بول چال، ...... غرور والی کیفیت ختم ہوگئی ہے۔ خاموش رہتی ہے۔ نماز کی پابند ہے۔ تمام اخلاقی برائیوں سے بَرا۔ تم آجاؤ بیٹا تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ ان سب باتوں کے جواب میں اس کا ایک جواب تھا۔

”امی میرا دل نہیں مانتا اب......“

”تم...... آتو جاؤ نا...... اک بار اپنے دل کو راضی تو کرو۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“ وہ ٹال جاتا اور ہمیشہ ٹالتا ہی رہتا۔ پھر کہنے لگا سوچ کر جواب دوں گا۔

”یہ کیسا سوچا...... کیا سوچا...... اس نے۔“ زبیدہ رحمٰن کی آنکھیں بھیگنے لگیں ان کے اعلیٰ و ارفع شریف خاندان میں پیوند لگنے لگا تھا۔ دوسری شادی کا...... طلاق کا...... ظاہری بات تھی اب وہ کیونکر اسے رکھتیں۔ ان کی تو تمام کوششیں ہی بے سود ہیں۔ ہونی ہو کر رہتی ہے۔

”تم کیوں اپنے دل پر لے رہی ہو۔ اس کی زندگی ہے جینے دو۔“ وہ اپنی سوچوں میں گم تھیں رحمٰن صاحب کے آنے کی آہٹ محسوس نہیں ہوئی۔

”کیسے جینے دوں، کیا اس کی زندگی پر میرا کوئی حق نہیں ہمیشہ وہ خود غرض بن جاتا ہے۔“ ان کا لہجہ آبدیدہ تھا۔

”خود غرض لوگوں کی غرض بھی پھر اسی طرح سے پوری ہوتی ہے۔“ انہوں نے اپنی جگہ سنبھالی۔

”آپ کچھ نہیں بولتے، کیوں نہیں سمجھاتے۔ میری نہیں آپ کی تو مان ہی لے گا۔“ زبیدہ رحمٰن نے گلہ آمیزی سے انہیں دیکھا۔

”وہ میری بھی نہیں مانے گا اسے خود پر بھروسا ہے۔ تم ہلکان مت کرو خود کو، میں اس سے بات کروں گا۔“ رحمٰن صاحب بولے۔

”کیسے نہ ہلکان کروں...... شایان مجھے اب پل سمجھتی ہے عباد تک پہنچنے کا میں کیسے اسے دھکا دے دوں۔“ زبیدہ رحمٰن بے بسی سے بولیں۔

”تم بہو کو بہو رہنے دو بیٹی، بیٹی ہی ہوتی ہے۔“

”رحمٰن صاحب!“ انہیں بہت دکھ ہوا۔

”بہو جب بیٹی بن جائے تو ساس کو بھی ماں بن جانا چاہیے۔ وہ بن ماں کی بچی، باپ بہت دور۔ دوسری شادی کرکے اپنے دوسرے بچوں میں خوش۔ پھر اس کی تربیت تو ایسی ہی ہوئی تھی نا۔ اب جب اس نے خود کو بہتر اور اچھا کرلیا ہے تو میں کیسے اسے دھتکاروں۔“ ان کی آنکھیں برسنے لگیں۔ وہ فطرتاً رحم دل خاتون تھیں۔ تاسف وملال سے بیگم کو دیکھا۔ عباد پر سخت غصہ آرہا تھا۔ مگر بستر پر لیٹ کر تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

”تم جانو اور تمہارے برخوردار......“ وہ اک بار پھر گہرے رنج والم میں ڈوبنے لگیں۔

☆☆☆

ولید کی ایمرجنسی کال پر فضیلہ نے رختِ سفر باندھا۔ حالانکہ اس کے بیٹے کو سخت بخار تھا اور وہ ابھی رہنا چاہتی تھی۔ جب تک شایان کو اس کے گھر نہ بھیج دیتی...... مگر...... خدا اس کے ساتھ تھا۔

شایان نے آہستہ آہستہ کچن اور گھر کے بہت سے کام اپنے ذمے لے لئے...... وہ آہستہ آہستہ سیکھتی جارہی تھی۔ زبیدہ رحمٰن نے بہت کچھ سکھایا تھا۔ ان کے تو سارے کام ہی وہ خود سے کرتی تھی۔ خاموشی سے سر جھکائے کچھ بھی کہے بغیر.... وہ اکثر بے یقینی سے دیکھے جاتیں اور اسے پروا بھی نہیں ہوتی۔

کتنا عرصہ ہوگیا تھا اسے گھر گئے وہاں تھا ہی کون...... آنی کا فون آجاتا فون پر ہی اسے بہت کچھ سمجھا دیتیں تھیں اور اب وہ بلا چوں وچراں ان کی باتیں سنتی اور گرہ میں باندھ لیتی پھر اس پر عمل کرتی۔ بہتر سے بہترین زندگی کی جانب اس کے قدم رواں تھے۔

اسے رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ کروٹیں بدلنے سے بہتر تھا کہ وہ کتاب پڑھ لیتی ان کتابوں نے اس کے اخلاق کو سنوارا تھا، اسے برے بھلے کی تمیز دی تھی اور اچھائی و برائی کا فرق سمجھایا تھا۔ انسان برا نہیں ہوتا

یادیں بری ہوتی ہیں۔ اس نے چن چن کر اپنی اخلاقی گراوٹ والی عادات کو ختم کر دیا تھا خدا نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

اس کی خاموشی، گریز اور چلنے پھرنے میں پاکیزگی جھلکنے لگی تھی۔ اسے دکھ دیتے ہوئے اب زبیدہ رحمٰن کا وجود ہلکان ہونے لگتا۔ وہ رو رو کر دعا کرتیں۔

"میرے رب عباد کو بھٹکنے سے بچا لے، اسے فلاح کا راستہ دکھا دے۔" مگر کبھی کبھی دعائیں بھی بے اثر ہو جاتی ہیں۔

عباد کا فون آیا۔ وہ اسی لڑکی کو شادی کر کے گھر لے آیا تھا۔ اس روز زبیدہ رحمٰن بہت روئی تھیں۔ ان کے خاندان کو گرہن لگ گیا تھا۔

"سنو، تمہیں کچھ پتا ہے؟"

شایان جو ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی پیاز کاٹ رہی تھی۔ متحرک ہاتھ رک گئے۔ رعنا بھابی نے اسے متوجہ کیا تھا وہ اس سے محوِ کلام تھیں۔ تو...... تو...... بے اختیار سر اٹھایا۔ عجیب سا لہجہ، چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ...... "عباد نے دوسری شادی کر لی ہے۔" بم بلاسٹ کیا۔

"کیا......" اس کی دھڑکن تیز ہوئی اور چھری ہاتھ سے گر گئی۔

"اب کس لئے یہاں رہو گی۔ یہ تبدیلی، یہ خاموشی، یہ بہروپ، کس لئے کاٹھ کا الو تو گیا۔" اس کا مذاق اڑایا...... اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گئیں۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کون سے گناہ کون سی غلطی کو چھپانے کے لئے تم یہاں آئی ہو...... تمہارا یہاں کیا کام ہے۔ جس کے ناتے تم یہاں ہو وہ تو تمہیں قدموں کی دھول بنا گیا......" اس کے ساکن وجود سے بے پرواہ وہ اسے کچوکے لگا رہی تھیں۔

"خواب اگر میرے پورے نہیں ہوئے تو بے اماں تم بھی ہو گئی ہو۔ کسی کفارے کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہے۔" وہ بول رہی تھیں اور بھی کچھ بلکہ بہت کچھ۔ مگر وہ سن کب رہی تھی۔ اس کے احساسات ساکن ہو گئے تھے۔

"عباد نے شادی کر لی۔ اس کی پروا نہیں کی۔ اس کے متعلق نہیں سوچا۔ اسے معاف نہیں کیا۔ اسے...... اسے۔" اس کا دل بھر آیا اور...... اک دم سے احساس زیاں پر پھوٹ پھوٹ کر رونے کی خواہش جاگی...... اس کی آنکھوں کے سوتے خشک تھے۔ آنکھیں ویران اور دل کی راہ گزر پر دور تک سناٹا اور خاموشی پھیلتی چلی گئی۔ اس احساس نے اسے منجمد کر دیا تھا۔

آس و امید کے دیئے بجھ گئے۔ یقین کے پھول ہاتھوں سے پھسل گئے جو وہ آنے والے کے لئے جمع کرتی جا رہی تھی۔ "ناراض سہی خفا سہی آنا تو یہاں ہی ہے نا۔ منا لے گی۔ مگر......" ہتھیلیاں پھیلائیں۔ خالی ہاتھ تھی وہ......

وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ خوشی و مسرت کے رنگ پھیکے ہوتے چلے گئے۔ حزن و دکھ کے بادل کھنچ گئے۔ دھیرے سے کارپٹ پر گر گئی۔ سامنے ہی اس کا بیگ پڑا تھا۔ سرخ، سبز اور چنری کا دھانی سوٹ ابھی تک بند تھا۔ اس کے آنے پر پہننا تھا۔ اس کا گفٹ دینا تھا۔ اسے منانا تھا۔ چاہت کے گھروندے آباد کرنے تھے۔ مگر...... وہ خالی...... ہو رہی تھی۔

"اس نے شادی کر لی۔ دوسری شادی۔" گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

"اچھا ہوا کر لی میں اس کے قابل ہی نہیں تھی۔ کہاں وہ...... کہاں میں......!" اسے لگا وہ مر رہی ہے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے...... مگر اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

دکھ کی جس منزل پر وہ تھی اس کا کوئی نام نہیں تھا۔ دکھ کی اذیت تھی ہے اور اس کے بے رحم خونی پنجے...... اور اس کا نرم و نازک وجود...... بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو وہیں زمین پر سکڑ کر لیٹ گئی۔

"لعنت ہے میری زندگی پر......" دھیرے سے آنکھیں بند ہو گئیں۔ "لعنت ہے میری زندگی پر......" اس کی......

وقت کی گردش گویا رک گئی...... دھڑکنیں بھی رک گئیں۔ آس و امید کے دیئے بھی بجھ گئے۔

☆☆☆

اک گہری خاموشی نے اسے اپنے حصار میں لے

لیا۔ وہ اندھی، بہری، گونگی ہوگئی، اپنے کام کیے جاتی، کوئی اس کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔ کیسی کیلی اور کٹیلی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ حقارت و اہانت بھرے انداز سے مخاطب ہے یہ احساس ہی سوہانِ روح بن گیا تھا۔ اب حقیقت میں وہ اس بھری دنیا میں فنا ہوگئی۔ اس کی اچھائی بھی کام نہیں آئی۔...... لان کی پچھلی جانب بنی سیڑھیوں پر بیٹھی رہتی۔ سوچوں کے ازدحام اس کے گرد چکراتے رہتے۔

"وہ کیوں یہاں ہے اب۔ کس کے لئے ہے جس کے لئے تھی وہ۔ تو......" آنکھیں بھیگ جاتیں۔ آنسو ساکت ہوگئے تھے۔ "اب تو جب تک اس گھر کے مکین نکال باہر نہیں کریں گے جب تک جگہ نہیں چھوڑنی۔"

زندہ رہنے کے لئے کھاتی تھی۔ طہارت و پاکیزگی کے لئے لباس بدلتی تھی۔ کام اور نماز زندگی کے ساتھی بن گئے۔ رعنا بھابی رعونت بھرے لہجے میں کہتیں۔

"میں جارہی ہوں یہ کرلینا میری طبیعت خراب ہے یہ دیکھ لینا۔" راحمہ بھابی نے دس کام اس کے سپرد کردیے تو ندا کیوں پیچھے رہتی۔ کئی ذمے داریاں اس کے سر ڈال دیں۔ رہنا تھا، نمک کھاتا تھا تو حق ادا بھی کرنا تھا۔ آپی کا فون آیا۔ اس نے سب ٹھیک ہے کا سگنل دے دیا۔ کیا بتاتی، کس لئے بتاتی۔ بتانے سے کیا ہوجاتا۔

"شایان اپنے گھر چلی جاؤ۔" آج زبیدہ رحمٰن کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ شایان ان کے پیر دبانے بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے انہیں دلیہ بنا کر دیا۔ رحمٰن صاحب آج کل گاؤں گئے ہوئے تھے۔ زمین اور فصلوں کے حساب کتاب دیکھنے۔ دھیرے دھیرے دباتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ اک نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"میں نے عباد کو بہت سمجھایا۔ مگر......" زبیدہ رحمٰن نے گہرا سانس لیا۔

سر جھکا لیا ہاتھ پھر چلنے لگے۔ "کچھ عرصے کے لئے دل بہل جائے گا۔"

"دل!" اس کے ہاتھ رکے۔ "دل نے تو اب بہلنا ہی نہیں ہے ہزار تاویلیں دیں یا لاکھ بہلاوے، من پسند کھلونا جب ہاتھوں سے پھسل جائے تو دل نہیں سنبھلتے......"

"میں سارہ کو فون کروں؟"

"نہیں!" شایان نے انکار میں سر ہلایا۔ "وہ آج کل اپنے آبائی شہر گئی ہوئی ہیں۔"

"تمہارے ابو......" زبیدہ رحمٰن نے پوچھا۔

"پہلے ارادہ تھا آنے کا اب ان کے بچوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ اے لیول اور او لیول مکمل کرلیں پھر آئیں گے۔ گھر میں تالا لگا ہے۔"

"شایان......" زبیدہ رحمٰن دھیرے سے اٹھیں۔ کسی قدر اکیلی، تنہا، ویران ہے۔ لڑکی شوہر کی خاطر میکا چھوڑتی ہے۔ شوہر اچھا ہو تو سب بھول جاتی ہے۔ شوہر تنہا کردے۔ میکے میں سسرال کے دکھ سمیٹنے والا کوئی نہ ہو۔ تو...... تو زندگی کیسی ہوتی ہے۔ اس کا دکھ دل پر محسوس کررہی تھیں۔

"اگر چاہو تو نئی زندگی شروع کرلو۔"

"نئی زندگی!......" شایان نے اچنبھے کے سے انداز میں دیکھا۔ "نئی زندگی......" "مجھے اس زندگی میں ہی رہنے دیں۔ مجھے نئی زندگی راس نہیں آئی۔ درد کا اپنا ہی لطف ہے۔ میں اک ایسی لڑکی تھی جس نے نئی زندگی شروع کی تو سب کچھ بھول گئی۔ اب کون سی نئی زندگی ہوگی۔ کیا دیا ہے مجھے اس نئی زندگی نے۔ میں اب ادھر ہی ٹھیک ہوں۔" اس کے ہاتھ حرکت کرنے لگے۔

"امی کہیں رہنے کے لئے کوئی واسطہ کوئی حوالہ ہوتا ہے جب رکھنے والا ہی کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا......" اندر آتی راحمہ بھابی نے تیکھے چتون سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ شایان نے سر جھکا لیا۔

"میں تو ضابطے اور رابطے رکھنا چاہتی ہوں نا اب مجھے بیرونی دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے وہاں سے کچھ نہیں لینا۔ اب تو باقی ماندہ زندگی عزت سے جینی ہے۔"

"جب مسئلے کا حل نہیں امی آپ ہی کوئی فیصلہ کرائیں۔" زبیدہ رحمٰن، راحمہ کی شکل دیکھنے لگیں۔

"زبردستی کے بندھن ٹوٹ ہی جائیں تو اچھا ہے۔ ویسے بھی انسان جو بوتا ہے وہی تو کاٹتا ہے۔" زبیدہ رحمٰن

نے نظر بھر کر شایان کو دیکھا۔ دکھ کی شدید لہر نے انہیں بھگو دیا۔

اس نے جو بویا تھا اس کی فصل کاٹ لی۔ اب کب تک کاٹتی رہے گی یہ لوگ ...... یہ سب لوگ ...... اب کی بات کیوں نہیں کرتے۔ اب جو حقیقت ہے۔ حال ہے۔ اس کا ماضی۔ اس کا گزرا ہوا کل اور ......

"عباد کو بھی زندگی گزارنے کے لیے اچھی، گھریلو اور سگھڑ محبت کرنے والی لڑکی کی ضرورت تھی اس نے جو بہتر سمجھا، کرلیا تم نے اسے کیا دیا تھا؟" راحمہ بھابی بڑی بے باکی سے سوال کر رہی تھیں رعنا بھابی بڑے کروفر سے اندر داخل ہوئیں۔

"اک کٹھ پتلی ایسی زندگی، من مانی، آزاد خیال اور ماڈرن تہذیب ...... بی بی یہ سب باہر کی باتیں ہیں اس مثالی اور گھریلو زندگی میں یہ سب نہیں چلتا اور عباد تھا ہی گھریلو ......" اس کے ہاتھ دباتے دباتے بے جان ہو گئے ...... اسے اپنے گرد شکنجہ کستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

"جاؤ بیٹا ...... جا کر آرام کرو ......" زبیدہ رحمٰن نے اس کی مشکل آسان کی۔ وہ اٹھ کر چلی گئی۔

"امی آپ بھی نا ...... اب اسے نکال باہر کریں کیا ہے اس میں۔"

رعنا نے تیکھے انداز میں کہا۔

میں نے سوچا ہے اسے میں"

"امی ......" رعنا نے بات کاٹ دی۔ "ہم سب اب یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس کو آزاد کردیں۔ یہ اس گھر سے چلی جائے۔ اس کا یہاں کچھ نہیں ہے۔ آخر عباد نے ادھر ہی آنا ہے پھر ...... پھر بھی تو ...... اب تو اس نے کہہ بھی دیا ہے تو آپ ......"

"ہاں ......" انہوں نے گہری سوچ میں غلطاں دھیرے سے کہا۔

"میں بھی یہ ہی سوچ رہی ہوں اس کے والد آجائیں تو حتمی فیصلہ ہو جائے گا۔" وہ کسی گہری سوچ میں تھیں۔ رعنا اور راحمہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیں۔ اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔

☆☆☆

تیرا میرا رشتہ کیسا
اس کو سلجھاتے سلجھاتے
اپنے دل کی دیواریں زخمی کر بیٹھا ہوں
رشتہ شاید سلجھ نہ پائے
لیکن اس کو سلجھانے کی دھن میں
جاناں ......!
سارے خواب بھلا بیٹھا ہوں
اپنا آپ گنوا بیٹھا ہوں

عباد تک جانے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ چاہت کے دروازے پر لگے زنگ آلود قفل کسی طور نہیں کھلے تھے۔ انہیں ٹوٹ کر گرنا تھا۔

پھر وہ یہاں کیوں ہے۔ اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کہیں بھی ہو محبت تو سلامت رہتی ہے۔ وہ سنگدل محبوب اسے مار کر ختم کردینے کی خواہش میں مبتلا ہو گیا ہے اسے یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے۔ ابو کے آنے تک ہاسٹل میں دارالامان میں رہ لے گی۔ جب جینا ہی ٹھہرا تو زندگی تو مثبت پہلو سے گزارے اور دوسرے کے لئے کام کرے۔ انسان ٹھوکر کھا کر ہی تو سنبھلتا ہے۔ اور یہاں صرف ٹھوکریں، طعنے، تشنے اور ماضی کے حوالے ہیں ...... بندوں کی نظر میں نہ سہی خدا کی نظر میں سرخرو ہو جائے۔

سیاہ طویل تاریک رات لان کی ٹھنڈی، یخ سنگی سیڑھیاں ہر سو پھیلی مختلف پودوں کی ملی جلی خوشبو اور اس کی لامحدود سوچیں۔ گھٹنوں پر سر رکھے وہ اماوس کی سیاہ رات کا حصہ لگ رہی تھی۔ کروڑوں کے مالک ملک اعجاز کی بیٹی، بیرسٹر ریٹائرڈ عبید رحمٰن کی بہو اور امیر شہزادے عباد رحمٰن کی بیوی۔ دارالامان میں رہے گی۔

"نئی زندگی ...... آج امی بھی کہہ رہی تھیں نئی زندگی شروع کرو۔ عباد واپس آنا چاہتے ہوں گے میری موجودگی میں کیسے آئیں۔ کتنے مہینے، کتنے سال ہو گئے ہیں انہیں گئے۔ کتنے سال!" وہ چونکی "سال ...... کتنے سال ......" وہ یاد ہی نہ کر سکی۔ اس نے تو کوئی حساب ہی نہیں رکھا تھا۔

"انتظار ...... انتظار، طویل انتظار ...... لاحاصل ہی

رہا۔ ماں بیٹے سے ملنا چاہتی ہوں گی۔ بے شک وہ اس سے محبت کرتی ہیں مگر بیٹے کو کب تک دربدری کی سزا دے سکتی ہیں۔"

"میرا کیا ہے......؟" دل اور وجود کا...... کوئی ایسا مضبوط رشتہ بھی نہیں۔"

ٹھیک ہے وہ چلی جائے گی راستے آسان کر دے گی مگر ای سے وعدہ لے کر جائے گی۔ وہ عباد کے راستے سے ہٹ رہی ہے۔ عباد اسے کبھی نہ چھوڑے۔ اب وہ کسی اور کے قابل ہی نہیں۔ وہ جتلائے محبت ہے اسے کوئی اور چہرہ اچھا لگ ہی نہیں سکتا۔

اس فیصلے پر دل کتنا مضطرب تھا کوئی اس سے پوچھتا۔ اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کرے گی۔ تعلیم کی فرغت کے لئے کام کرے گی۔ اک لائحہ عمل بنائے گی جب دوسروں کے لئے ہی جینا تو عمل مثبت کیوں نہ ہو۔ دھیرے سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

صبح دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا یہاں سے جانے کا...... زبیدہ رحمٰن اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"پاپا کے گھر کو میری ضرورت ہے۔ یہاں تو میں عضو معطل کی طرح ہوں، ناپسندیدہ، فضول، بے کار......

زبیدہ رحمٰن اسے دیکھتی رہیں۔ "دعا کیجئے گا مجھے زندگی راس آجائے۔" زبیدہ رحمٰن مبہم سے انداز میں مسکرائیں۔

"بس ایک بات آپ سے کہنی تھی۔ عباد سے کہیے گا مجھے طلاق نہیں دیں میں ان کے لئے راستہ چھوڑ رہی ہوں اور ہو سکے تو زندگی کے کسی موڑ پر مجھے معاف کر دیں۔ میں نے ان کا دل دکھایا، ہرٹ کیا، سنگدلانہ رویہ رکھا اور کبھی انہیں اہمیت ہی نہیں دی۔" دھیرے سے ان کے سامنے زمین پر پیروں کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ دوزانو...... ہارا ہوا انداز...... بے رونق چہرہ۔ الجھے ہوئے بال، رت جگے کی ماری آنکھیں۔

"مجھے بس لینا آتا تھا محبت...... محبت۔ دوسروں کی محبت۔ دوسروں سے محبت! مجھے محبت دینے کا نہیں پتا تھا۔ حقوق کیا ہوتے ہیں۔ فرائض کس کا نام ہے پھر مجھے سہیلیوں کی گیدرنگ ایسی ملی کہ میں اپنی اقدار، روایات سب کچھ بھول گئی۔ کوئی روک ٹوک نہیں...... مجھے بے دریغ پیسہ اور آزادی ملی...... میں بد سے بدتر ہوتی چلی گئی جب مجھے رتبے کا احساس نہیں تھا تو محبت کیسے دیتی۔ میں صرف اخلاق کے حساب سے گری ہوئی تھی۔ میں بری نہیں تھی۔ میری تربیت ہی نہیں ہوئی تھی، گھر تو تھا مگر میری تربیت کرنے والے نہ تھے۔ وہ ہاتھ نہ تھے جو غلط راہ پر چلنے سے روک لیتے۔" سر جھکائے دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ زبیدہ رحمٰن دم بخود سن رہی تھیں۔

"برسوں گزر گئے پاپا کی شکل دیکھے۔ ان کی گود میں سر رکھے انہیں پیار کرنے کا سوچتے آپ تو جانتی ہیں کہ وہ میری شادی پر چند دنوں کے لیے آئے تھے۔ مجھے گھر داری کا سلیقہ نہیں تھا۔ رشتے ناتے کیسے ضابطے میں رکھے جاتے ہیں مجھے خبر نہ تھی۔ میں نے گھریلو ماحول دیکھا ہی نہیں تھا۔ آنٹی سارہ کو کبھی اہمیت ہی نہیں دی تھی بس گورنس سمجھا تھا۔ بچپن سے ان کا ہی چہرہ دیکھتی آرہی تھی۔ کاش میں نے ان کی صحبت سے فیض اٹھایا ہوتا تو اب در بدر نہ ہوتی۔ انسان ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے۔ آپ کی شخصیت نے مجھے بدل دیا۔ عباد ٹھیک کہتے تھے کوئی برا نہیں تھا۔ ان کی امی، بھابیاں، بہنیں۔ میں بری تھی ان کی زندگی کے قابل نہ تھی۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ خشک آنکھوں سے دیکھا۔

"مجھے گھر اور راستہ بدل لینا چاہیے۔" اس کے وجود میں غبار بھر رہا تھا۔ "میں نے کسی گناہ کے بوجھ کو چھپانے کے لیے اس گھر میں قیام نہیں کیا۔ مجھے حقیقت میں آپ سے محبت ہو گئی تھی۔ یہ زندگی ہے یہاں حساب کتاب یونہی چلتا ہے......" اس کے لہجے میں اعتراف تھا۔ "جب آپ لوگ محبت دیتے تھے تو میں پتھر تھی۔ آج جب میں محبت سیکھ کر محبت بانٹنا چاہتی ہوں تو آپ لوگوں کو ضرورت نہیں، مجھے گلہ نہیں۔ دھیرے دھیرے گزرتے وقت نے مجھے حقیقت سے روشناس کرا دیا ہے، مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر رہا ہے۔ خوابوں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی اسی لیے میں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" دھیرے سے اپنے یخ ہاتھوں میں ان کا

گرم محبت آمیز حدت دیتا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ بھی مجھے معاف کر دیجیے گا۔'' دھیرے سے اس کا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ ان کا دل بھرا رہا تھا۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔ وقت نے اس لڑکی کی قسمت میں جانے کیا لکھ دیا تھا۔

''وقت نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ مجھے کسی سے شکایت نہیں کچھ میری تقدیر اور کچھ میرے اعمال۔'' زبیدہ رحمٰن کا حدت آمیز ہاتھ اس کے بالوں پر ٹھہر گیا۔ ان کے اختیار میں کیا تھا، کچھ نہیں سب زور و جبر کر کے دیکھ لیا۔ عباد کا دل پتھر ہو گیا تھا۔ مانتا ہی نہیں تھا۔ اب اس نے شادی کر لی تھی تو پیچھے کیا رہ گیا ان کے خاندان کو گرہن لگ ہی گیا تو اچھا ہے عباد اسے طلاق دے دے۔ لڑکی ذات ہے گھر بسا لے گی۔ زندگی کا کیا بھروسا ہے۔ کیا پتا...... کتنی ہے، تنہا جیون نہیں گزرتے۔

☆☆☆

''تم کہیں نہیں جا رہیں سنا تم نے۔'' رحمٰن صاحب اس کے سر پر کھڑے تھے اس نے سر جھکا لیا۔ ''جب تک تمہارے والد نہیں آ جاتے۔'' اسے اندر ہی اندر خدا کی قدرت پر پیار آ گیا۔ وہ کسی بندے سے غافل نہیں۔ رات سوچ رہی تھی اس کے پاس کتنے پیسے ہیں۔ آنی کے نے تک اسے انتظار کرنا تھا۔ اس کے پاس زیادہ رقم نہیں تھی اور اب...... نگاہ اٹھا کر کمرے کے وسط میں کھڑے رحمٰن صاحب کو دیکھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

''ابھی وہ احمق اعظم آ نہیں رہا تم ادھر ہی رہو۔''

''جی!'' شایان نے دھیرے سے اقرار میں سر ہلا لیا۔

☆☆☆

انہی دنوں جب شایان نے صبر و تحمل کی سل سینے پر رکھ کاتب تقدیر کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا تھا کہ اک اندوہناک خبر نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ خود زبیدہ رحمٰن بھی ساکت رہ گئیں۔

''عباد کی بیوی مر گئی۔ ایک بیٹے کو جنم دے کر۔''

''یا اللہ...... میں نے تو کوئی بددعا نہیں دی۔ تیرے کیے پر عمل کیا پھر...... یہ کیا ہو گیا؟''

''امی، فی الحال میں نہیں آ سکتا حمزہ کو آپ کے پاس بھجوا رہا ہوں۔ اب آپ نے اسے پالنا ہے۔'' اور وہ ششدر رہ گئیں۔

''میں آپ کی نافرمانی کرتا رہوں گا مجھے سزا ملتی رہے گی۔'' وہ چپ اور ساکت تھیں یہ کیا ہو رہا ہے۔

اور پھر حمزہ آ گیا۔ ننھا منا، خوبصورت سا، اسکائے بلو کمبل میں لپٹا، انگوٹھا چوستا اور آنکھیں بند کیے دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ عباد کا دوست لے کر آیا تھا۔ عباد کا بیٹا! شایان نے بھی دیکھا اور بس خالی الذہن ہو گئی۔ کاش، کاش......

''پتا نہیں یہ عباد کیا کرتا پھر رہا ہے۔'' رعنا بھابی نے کہا ''کچھ سوچنا چاہیے تھا اسے۔'' شایان کا دل دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں تھیں۔

رات کو زبیدہ رحمٰن نے شایان کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔

''شایان یہ عباد کا بیٹا ہے۔ اسے تم پالو گی تم سے بہتر اسے کوئی نہیں پال سکتا۔''

''جی...... ؟'' وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟...... میں''

''ہاں، تم...... لو۔''

''نہیں امی، میں تو۔'' وہ متحیر زدہ تھی۔

''ہاں، کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''امی۔'' وہ ان کے پاس بیٹھی۔ ''جب عباد مجھے قبول نہیں کر رہے تو۔ وہ کیسے اپنی اولاد کو میری گود میں دے سکتے ہیں، میں اتنی بری ہوں کہ...وہ......''

''تم کتنی بری ہو تم مجھ سے پوچھو۔'' زبیدہ رحمٰن نے محبت سے اسے ساتھ لگا لیا۔

''کوئی انسان برا نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف، اس کی عادات بری ہوتی ہیں اور وہ شخص تو فرشتہ ہوتا ہے جو اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور تمہیں یہ ذمے داری اس لیے سونپ رہی ہوں کہ تم مجھے عزیز ہو گئی ہو۔ تمہارے لیے میں عباد سے لڑ سکتی ہوں۔ تمہیں ہمیشہ اس گھر میں دیکھنا چاہتی ہوں اور......'' کاٹ میں لیٹے حمزہ کو دیکھا۔

''بچے پل ہوتے ہیں ماں باپ کے درمیان رابطے

کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ سوتیلی ہی سہی ماں تو ہونا۔''

''امی......!'' وہ گنگ ہوگئی۔ اسے عباد کی واپسی، عباد کی محبت بغیر کسی قرض کے چاہیے تھی۔ اسے بدلہ نہیں چاہیے تھا۔ بے لوث محبت چاہیے تھی۔ زبیدہ رحمن اسے دیکھے گئیں۔ آنکھ کی پتلی میں پانی رقص کر رہا تھا۔ آنسو عرصہ ہوا اس کی آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔ بہتے نہیں تھے اور ٹھہرا ہوا آنسو بہت دکھ سمیٹے ہوتا ہے۔

''میں اس قابل نہیں۔'' وہ جھک کر پیچھے ہٹی۔

''تمہیں اب کہیں نہیں جانا، یہ میرا فیصلہ ہے۔ تمہارے جانے کے فیصلے نے مجھے بے حد دکھ دیا ہے۔ بیمار کر ڈالا۔ لو سنبھالو...... اب میری عمر بچے پالنے کی نہیں ہے اور نہ بچے سنبھالنے کی۔'' نیلے کمبل میں چھپا ننھا منا سا وجود اس کی گود میں رکھ دیا جسے بمشکل سنبھالا۔

''امی! یہ بہت بڑی ذمے داری ہے۔'' شایان بے بسی سے بولی۔

''اور اس کی اہل تم ہو۔'' وہ جانے کیوں خوش تھیں۔

''عباد سے پوچھ لیں میں اہل ہوں یا...... نہیں......؟'' شایان نے کہا۔

''اس سے تو میں ایک ساتھ ہی پوچھوں گی کہ اہل ہے یا نہیں'' اس کی گود میں سمٹے بچے کو محبت سے دیکھا۔ بچہ کسمسا رہا تھا۔

''جاؤ اس کا فیڈر لے آؤ۔'' وہ گومگو کی حالت میں انہیں دیکھتی ہوئی بچے کو دوبارہ ان کی گود میں دے کر اٹھ گئی۔ وہ تو یہاں سے جانے کے ارادے پر قائم تھی کہ یہ زنجیر اس کے پاؤں سے لپٹ گئی۔

''یا اللہ جب، جب میرا قیام، میرا رزق اس گھر سے وابستہ ہے تو ان کے دلوں کو پھیر دے پھر سے...... ہاں پھر سے اس کی شخص کے دل میں میری محبت بھر دے پھر سے میں اس کے دل سے قریب ہو جاؤں۔'' پانی چولہے پر رکھ کر وہ فیڈر نکالنے لگی۔

☆☆☆

''اچھا......''

''نہیں بھئی......''

''کیا......!'' رعنا بھابی۔ راحمہ بھابی اور ندا بھابی نے اس خبر کو بے یقینی سے سنا کہ عباد کے بیٹے حمزہ کو اب شایان پالے گی۔

''اگر یہی کرنا تھا تو عباد کو اتنی دور جانے کا ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہاں تو عباد شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور اب اتنی بڑی ذمے داری...... اعتماد کیسے کر لیا اس کی تربیت پر جو خود غیر تربیت یافتہ ہو۔'' رعنا بھابی کے انداز میں تنفر تھا۔ شایان کے لیے ان کی نفرت کم نہیں ہوئی تھی بلکہ بڑھی تھی۔ فاریہ کا جہاں رشتہ ہو رہا تھا وہ رشتہ انہیں قطعی پسند نہیں تھا۔ انہیں تو عباد کے ساتھ فاریہ ہی جچتی تھی مگر نہ درمیان میں شایان آتی اور نہ ان کا راستہ رکتا۔

ایک سبیل پیدا ہوئی تھی کہ عباد نے دوسری شادی کر لی...... انہوں نے دل برداشتہ ہو کر فاریہ کا رشتہ طے کروا دیا۔ آخر کب تک وہ انتظار کر سکتے تھے۔ وہ چاہتی ہی نہیں تھیں کہ شایان اس گھر میں رہے۔ اس لیے کبھی اسے پرسکون رہنے نہیں دیا کہ اب پھر اس کے ہمیشہ کے رہنے کا انتظام ہو گیا مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

''امی...... حمزہ کے لیے گورنس کا انتظام ہو سکتا ہے۔'' ناگواری کی شکنیں ان کی پیشانی پر رقم تھیں۔

''کیوں بیٹا، جب گھر میں بیٹیاں موجود ہیں تو گورنس کی کیا ضرورت ہے؟'' اپنی بہوؤں کے ساتھ ان کا لہجہ شائستہ اور حلیمی لیے ہوتا تھا ان کی زندگی کا موقف تھا کہ انسان جب تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ ہے تو اس کے لب و لہجے، طریقے، سلیقے سے ظاہر بھی ہونا چاہیے۔ ناپسندیدگی کے باوجود ساس بہو کے جھگڑے کو ہم نے خود ختم کرنا ہے۔ رعنا کی مخالفت کو وہ سمجھ گئی تھیں۔

''بے شک امی مگر ہماری اپنی ذمے داریاں ہیں۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں ان کی تعلیم، تربیت، ان کے کام، ان کی فکریں......''

''تو اس کے لیے شایان ہی کافی ہے۔''

''وہ...... نااہل عورت...... ہونہہ جس کی زندگی میں تہذیب اور تمیز نام کی چیز نہیں۔ میں تو حیران ہوں یہ فیصلہ ہو کیسے گیا۔''

''ضروری نہیں ہے بیٹا نااہل ساری عمر نااہل ہی

ہے۔ سیکھنے کی عمر تو تا زندگی رہتی ہے اور اب تو شایان مجھے تم جیسی ہی لگتی ہے۔"

"مجھ جیسی...... سات جنم بھی لے، لے تو مجھ جیسی نہیں بن سکتی۔ اس کا کردار، اس کی گیدرنگ اور اس کا اخلاق کیا ان چند سالوں میں بھول گئیں آپ......؟"

"ہاں! ہمیں ان تلخ باتوں کو بھول جانا چاہیے۔ جن کا وجود باقی نہ ہے، ہمیں اچھائیوں کی اور اچھے رویے کی قدر کرنی چاہیے۔ ہمیں کسی کو ہمیشہ اس کے ماضی کے آئینے میں نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا حال بھی ہمارے لیے اہم ہونا چاہیے اور میرے خیال میں رعنا تمہیں بھی اپنے غصے کو ختم کر دینا چاہیے۔" رعنا نے منہ پھیر لیا۔ "بلاوجہ کا غصہ حرام ہے۔ غصہ ہماری شخصیت کو گھن لگا دیتا ہے۔ اپنے دل اور ظرف کو بڑا کر کے دیکھو تو راحت محسوس ہوگی اور پھر معافی تلافی کے راستے پر تو چلنا ہی ہوگا چاہیے۔"

"امی جب عباد کا دل سخت ہے تو میرا دل بھی پتھر ہو گیا ہے۔ مجھے وہ اچھی نہیں لگتی۔ آپ خوامخواہ اسے...... رکھنا چاہتی ہیں۔" زبیدہ رحمٰن نے رعنا کی ناگواری کو محسوس کیا اور چپ ہو گئیں ان کے اندر ایک گہری سوچ نے جنم لیا۔

☆☆☆

قدرت کی اس فیاضی پر، اس انصاف پر شایان بے حد حیران تھی۔ عباد کا بیٹا...... اس کی گود میں...... کیا وہ اس قابل تھی۔

اس نے تو کہا تھا۔

"اچھا ہوا...... تم ماں نہیں بنیں ورنہ اپنے جیسی اولاد کو جنم دیتیں۔ ہے کیا تمہارے اندر...... اس چہرے کے سوا۔"

"عبا......د......" بے چینی اور بے تابی اس کے وجود کے پاتال سے ابھری۔ "اب...... اب آئیں اور دیکھیں میں سرتاپا بدل گئی ہوں۔ آپ کی محبت میں...... آپ کی چاہت میں آپ کے عشق میں۔" بے اختیار ننھے سے وجود کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ محبت کیسی تن آور ہو گئی ہے۔ کیا اک بار...... اک بار۔" بے بی لوشن اور بے بی پاؤڈر کی دھیمی دھیمی مسحور کن مہک نے اس کے وجود کو مہکا دیا۔

اس کے دن رات بدل گئے۔ مصروفیات بدل گئیں۔ طعنے، تشنے، کسیلے انداز اور کٹیلے لہجے محسوس ہی نہیں ہوتے اب وہ کسی اور دیار میں، کسی اور مکاں میں ہو جیسے۔ عباد کا بیٹا۔ دوسری عورت کے بطن سے۔ اسے حسد نہیں ہوا۔ حمزہ کو اس نے دل سے لگا لیا اور دھیرے دھیرے اس میں سمٹ گئی۔ اک نیا جہان اس کے گرد آباد ہو گیا۔

☆☆☆

آنٹی سارہ حیرت سے اسے ننھے سے حمزہ میں گم دیکھ رہی تھیں۔ اس کے کام، اس کا فیڈر...... اس کا پیمپر اور اس کی نیند...... بنا آہٹ کے کام چہرے پر قوس قزح کے رنگ۔ اک انہونی سی چمک، تھکاوٹ نہیں، ملگجے سے حلیے میں، نک سک سے بے نیاز، مٹیالے سے لباس میں۔ چمکتے چہرے کے ساتھ جس کی آنکھوں میں ابھی بھی پانی ٹھہرا ہوا تھا۔

بہت عرصے بعد وہ آج اس سے ملنے آئی تھیں۔ شایان تو جب سے آئی اس نے پلٹ کر خبر نہیں لی۔ ٹیلی فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔ حمزہ کو سلا کر وہ ان کے پاس آ کر ان کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھی اور ان کے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر انہیں دیکھا۔ سیاہ پتلیاں پانی کی جھیلوں میں تیر رہی تھیں۔ ذرا سا دبانے پر جھرنا پھوٹ پڑتا تھا۔

"پاپا کیسے ہیں؟ آئے نہیں۔ ان سے کہیں مجھے فون کر لیا کریں۔" وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ یہ وہ شایان تو نہیں۔ چنچل، شوخ و شریر، شرارتی، سہیلیوں کے ہجوم میں رہنے والی۔ ہر دم پکنک، پارٹیز، سیر سپاٹے، کرنے والی۔ بدل تو وہ گئی تھی مگر اتنا بدلے گی ان کے گمان میں بھی نہیں تھا ان کی نگاہ کے سوالوں سے بچنے کے لیے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

"شایان!" انہوں نے دکھ سے پکارا۔

"جی!" ممتا کا لمس سر پر ٹھہر گیا۔ دل میں رونے اور شدت سے سسکنے کی خواہش جاگی۔ وہ ان سے کچھ نہیں چھپا سکتی تھی۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ عباد ملک سے باہر چلا گیا ہے اور واپس نہیں آیا۔" وہ چپ رہی۔ "تم نے اس کی اولاد کو کیوں قبول کیا؟" شایان کا دل کانپ

گیا۔ ''شایان!'' رنجیدگی بھرے دکھ سے دیکھا۔ ''وہ تو کبھی تمہارا تھا ہی نہیں بچے اور تم جانے کس گمان میں رہیں۔ وہ تو جانے تمہیں کب کا چھوڑ چکا ہے اور تم......''

''آنی... وہ اس کا دل ہے۔'' ''میں ان کے گھر میں ان کے نام سے ہوں پھر کیسے چھوڑ دیا۔ اب تو ان کا بچہ میری گود میں ہے۔ مجھے ان سے بے انتہا محبت ہے۔''

''اس کے دل میں تمہاری کتنی جگہ ہے زبردستی کے قیام سے گھر نہیں بستے۔ کیا زندگی اس امید...... اور خالی وجود کے سہارے گزر سکتی ہے۔ تم نے مجھے بے خبر کیوں رکھا۔ ماں نہیں تو کیا ہوا۔ ماں جیسا سمجھ تو سکتی ہو نا۔'' خفگی سے اسے دیکھا۔

''آنی......'' دھیرے سے ان کے ہاتھوں کو چوم لیا۔ ''آپ میری ماں ہیں... مجھے آپ نے قدم قدم پر سہارا دیا ہے۔ سمجھایا ہے میں غلطی پر تھی۔ ڈوبنے سے آپ نے بچایا۔ عباد کی محبت میرے روم روم میں سرائیت کر گئی ہے اس سے بچھڑنا میرے اختیار میں نہیں جب کہ قدم قدم پر یہاں خارزار راستے ہیں۔ امی کی بے تحاشا محبت نے مجھے سمیٹ لیا ورنہ شاید میں چلی ہی جاتی یہاں سے۔ وہ بہت عظیم خاتون ہیں یہ جانتے ہوئے کہ میں نے ان کے بیٹے کو ہرٹ کیا، ان کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا انہوں نے ایک بار معافی مانگنے پر معاف کر دیا حالانکہ گھر والوں نے مجھے معاف نہیں کیا۔''

''اور...... اور شایان ...... عباد نے۔'' اس کے ہاتھوں میں خفیف سی کپکپاہٹ ہوئی۔ ''اس نے معاف کر دیا کیا؟''

''وہ بھی معاف کر دیں گے جب ان کا دل صاف ہو جائے گا۔''

''اس کا دل کبھی صاف نہیں ہوگا بہتر تمہارے لیے یہ ہے کہ سب کچھ ختم کر دو۔''

''نہیں...... آنی! بالکل بھی نہیں اس گھر سے نکل کر میں مر جاؤں گی۔ انہوں نے مجھے اعتماد کے قابل سمجھا ہے تو ان کا بچہ میری گود میں ہے نا۔ بچے تو پل ہوتے ہیں ان کی محبت پھر سے مجھے حاصل ہو گی۔'' اس کے لہجے میں یقین تھا۔ ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔ جانے اس کی قسمت میں کیسے تنہائی کے دکھ رقم تھے۔

''یہ میرا کفارہ ہے، میری محبت کی انتہا۔'' سر جھکا کر دھیمے سے کہا۔

''شایان!'' اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''آپ ہی اسے سمجھائیں آنٹی خالی خولی محبت سے پیٹ بھرتا ہے اور نہ زندگی گزرتی ہے۔ دل و نگاہ سے اترے ہوئے لوگ کبھی وہ مقام نہیں پاتے ہیں۔'' رعنا بھابی شاید ان کی باتیں سن رہی تھیں اندر آ گئیں۔ دونوں چونک گئیں۔ ''لاحاصل امید بہار ہے۔ عباد کے نام کا کوئی پھول نہیں کھلنے والا بہتر ہے کہ آپ اسے لے جائیں۔'' آنی اس کھلی مخالفت پر ہکا بکا رہ گئیں۔

''اسے میں بچپن سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ ایسا ہی ہے۔''

''بھابی پلیز!'' شایان نے سراسیمگی کے سے انداز میں انہیں دیکھا۔

''میں عباد سے بھی بات کر رہی ہوں کہ یہ کیا طریقہ ہے۔ کسی کی زندگی برباد کرنے کا۔ فیصلہ کر دتا کہ تمہیں بھی اپنی زندگی گزارنے کا موقع ملے۔''

''بھابی! جس زندگی کی خواہش مجھے ہے میں گزار رہی ہوں، مجھے عباد کا نام چاہیے اور کچھ نہیں۔'' رعنا بھابی بھرپور تنفر کے ساتھ اسے گھورتی رہیں ان کے اندر آگ سی جل رہی تھی۔ یہ لڑکی پھر سے جیت رہی تھی حمزہ کے حوالے سے مقام بنا رہی تھی اور...... اور......

''آپ خود فیصلہ کریں آنٹی۔'' اب وہ آنٹی سارہ سے مخاطب ہوئیں۔ ''یہ کتنی غلطی کر رہی ہے جب احساس ہوگا تو زندگی گزر چکی ہوگی۔ ابھی وقت ہے دوسری شادی کا، عباد سے طلاق لے کر......''

''بس کریں آپ!'' اس کا لہجہ چیخ گیا۔ ''پلیز......!'' اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ ''رحم کریں مجھ پر آپ کا کیا لیتی ہوں۔ معاف کر دیں مجھے۔ معاف کر دیں۔'' حمزہ کو دیکھنے کے لیے آئی زبیدہ رحمٰن نے دروازے پر رک کر ساری گفتگو سنی اندر آ کر سارا منظر دیکھا۔ شایان کا جھکا ہوا سر... بندھے ہوئے ہاتھ... رعنا کا

کرو فر سے اظہار اور سارہ کا ہکا بکا سا انداز۔

"رعنا!" انہیں شرمندگی اور غصہ ایک ساتھ آیا۔

"جی" وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹیں۔

"تم نے کب سے اس گھر کے فیصلوں میں دخل اندازی شروع کر دی۔" ان کے چہرے پر ناگواری تھی۔

"امی میں دراصل......!"

"ابھی تو ہم زندہ ہیں۔" شایان کے ہاتھ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گود میں گرے اور اس نے آنٹی کی گود میں منہ چھپا لیا۔

"شایان نے اس گھر میں رہنا ہے ہمیشہ اگر اس نے جانا ہوتا تو واپس آتی ہی نا...... یہ عباد کی محبت ہے، چاہت ہے، محبتیں ناراض، خفا ضرور ہوتی ہیں مگر ختم نہیں ہوتیں اور جو محبتیں ختم ہو جاتی ہیں وہ محبتیں نہیں خود غرضی، خود پرستی ہوتی ہیں۔ تمہیں یہ بری لگتی ہے تو کوئی رابطہ نہ رکھو۔" وہ حمزہ کے پاس بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔

شایان جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ اب ہکا بکا رعنا بھابی ان کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ تو ان کی من چاہی بہو تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ سب کے سامنے بلکہ ان لوگوں کے سامنے ان کی انسلٹ کریں گی۔ انہیں شاک لگا۔ ایک دم سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"آپ کچھ برا محسوس مت کیجیے گا۔ یہ تو بس بچے ذرا جذباتی ہو جاتے ہیں۔" زبیدہ رحمٰن نے مسکرا کر سارہ کو دیکھا۔

"شایان...... جاؤ مہمان کی خاطر تواضع کے لیے کچھ لے کر آؤ۔"

"جی!" اس نے خود کو سنبھالا اور کھڑی ہوئی۔

"یہ سو رہا ہے، اٹھا نہیں۔" حمزہ کو جھک کر دیکھنے لگیں۔ شایان انہیں دیکھتی باہر نکل گئی۔ اس کی خاطر انہوں نے رعنا بھابی کو سرزنش کی۔ ان کی قدر و منزلت دل کے ایوانوں میں بڑھ رہی تھی۔

"تم...... تم! اتنا کچھ سہہ رہی ہو اور پھر بھی یہاں ہو جب کہ یہ لوگ......" جاتے وقت جب شایان انہیں گیٹ تک چھوڑنے جا رہی تھی اس کا ہاتھ تھام کر تاسف سے اسے دیکھا۔

"جی آنٹی۔"

"اتنا کچھ سننے کے باوجود...؟" شایان نے ریشمی پلکوں کو جھپکا کر انہیں دیکھا۔

"اتنا کچھ سننے کے باوجود اس لیے آنٹی کہ میں نے ان کے ساتھ کم نہیں کیا۔ طرح طرح کے الزام لگائے دروغ گوئی کی، غلط بیانی سے کام لیا۔ مجھے اتنی بڑی فیملی میں رہنے کا سلیقہ طریقہ نہیں تھا جو کچھ بھی ہوا نادانستگی میں، ناسمجھی میں ہوا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ دھیرے سے لب کاٹ کر انہیں دیکھا۔ ایک بار پھر وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ ضبط نفس کی کس اسٹیج پر کھڑی تھی اپنا ظرف خود ہی آزما رہی تھی۔ آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا مگر رخسار پر ڈھلکنے کی اجازت نہیں تھی۔

"یہ میرا کفارہ ہے آنٹی۔ دل دکھانے کی سزا...... خدا اور بندوں کو ایک ساتھ راضی کرنا ہے خدا کے بغیر بندے راضی نہیں ہوں گے۔ بندوں کے حقوق پورے نہ ہوں گے تو خدا راضی نہیں ہو گا۔"

"شینی" بے اختیار اسے گلے لگا کر چوم لیا۔ ان کے آنسو بہہ نکلے۔ "ایسی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟"

"کتابوں سے، کتابوں نے مجھے وہ کچھ سکھایا ہے جو میں انسانوں سے نہ سیکھ سکی۔ شوہر کی ناراضی سے تو عبادت قبول نہیں ہوتی، آنٹی۔ میں انہیں منانا چاہتی ہوں، بلانا چاہتی ہوں مگر......" اس نے دانتوں سے ہونٹ کترتے ہوئے ہونٹ کاٹا۔ "مجھے پیا منانے کا ڈھنگ نہیں۔" درد بھری ہنسی حزن میں ڈوب کر ابھری۔ آنٹی سارہ نے نم پلکوں سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"میرے لیے دعا کیجیے گا آنٹی۔" شایان ان کے گلے لگ گئی۔ "خدا میری ریاضتوں، عبادتوں کو قبول کر کے مجھے عباد واپس کر دے۔ ان کا دل میری جانب موڑ دے۔" اس کے روتے سے لحظہ لحظہ ان کا سینہ دکھ سے بھر رہا تھا۔ اس کے دل کی سسکیاں وہ اپنے سینے میں محسوس کر رہی تھی۔ دل سے اس کی خوشیوں کے لیے دعا نکلی۔ سکھ کی چھاؤں اور خوشی کے پھول کھلیں۔

☆☆☆

موسم دھیرے دھیرے بدل رہا تھا تو وقت تیزی

ے گزر رہا تھا اس کا کام تو گزر رہا ہی ہے۔ وہ کب کسی کے لیے ٹھہرتا ہے۔ حمزہ کو سنبھالتے سنبھالتے وہ خود سے غافل ہوتی جا رہی تھی۔ اس روز اس کے بدرنگ گھسے ہوئے کپڑے دیکھ کر زبیدہ رحمٰن چونک گئیں۔

"شایان، میں نے تمہارے لیے کپڑے سلوائے تھے پہنے نہیں۔" وہ دھیرے دھیرے حمزہ کو سلا رہی تھی چونک گئی۔

"ٹھیک تو ہیں کپڑے۔" نگاہ چرالی۔

"کیا رنگ اور سلائی پسند نہیں آئی؟"

"نہیں امی...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔" کمبل ٹھیک کر کے وہ پیچھے ہٹی۔

"پھر!"

"میرے پاس جو کپڑے ہیں بس وہی کافی ہیں امی میرے لیے مت بنوایا کریں۔ طہارت اور پاکیزگی کے لیے سادہ اور صاف کپڑے ہی بہت ہیں۔ میں نے کے دکھانا ہے۔" اس کے اس ایک جملے میں جانے کیا تھا کہ ے دیکھتی رہ گئیں۔ اس لڑکی کے صبر و ضبط اور ضبطِ نفس نے انہیں بے حد متاثر کیا تھا۔ عبادت گزار، تہجد گزار، دن یں روزے سے ہوتی سارے کام اور حمزہ اس کے علاوہ ردوگرم سہنا اور چپ رہنا۔ اس کا مزاج دیکھ رکھا تھا۔ پ اس کا شیوہ نہ تھا مگر...... دھیرے سے گہرا سانس لے رخ موڑ لیا۔

"اے اللہ! میرے سنگ دل بیٹے کے دل میں رحم ر محبت ڈال دے اس بچی کو خوشیاں لوٹا دے۔" ان کے [د]ل سے دعا نکلی۔

☆☆☆

"کب تک ماں کو ترسائے گا تو آ کیوں نہیں جاتا۔" خاص طور پر عباد کو فون کروایا رحمٰن صاحب سے۔ سے ڈپٹ رہی تھیں۔

"نعم البدل بھیج تو دیا ہے اپنا۔" وہ ہنسا۔

"تیرا بچپن ہو سکتا ہے مگر بدل نہیں عباد۔ ماں کی [م]متا کب تک ترسے گی۔"

"امی میری جاب......"

"کیا نوکری ماں سے ملنے کی اجازت نہیں دیتی یا تیرا دل میرے لیے بھی سخت ہو گیا ہے۔" انہیں غصہ آیا۔ عباد کو ان کے لفظوں نے چونکا دیا۔ (وہ کیسی ہے اب، کیا حال ہے۔ اس کی ناگواری، ناراضی کے باوجود گئی نہیں تو)

"آ جاؤ عباد...... ایسا نہ ہو کہ ماں کے مرنے پر بھی نہ آ سکو۔"

"اللہ نہ کرے امی کیسی باتیں کرتی ہیں۔" وہ دہل گیا۔ "اچھا میں آفس سے چھٹی کی بات کرتا ہوں۔" تسلی دی "حمزہ کیسا ہے اس کی تصویریں تو بھجوایئے؟"

"آ کر دیکھ لو...... عباد کبھی کبھی مجھے لگتا ہے یہ تیرا بیٹا نہیں۔"

"ہیں......!" وہ گڑبڑایا۔ (ماں کو سچ کی خبر کیسے ہوئی) "کیا کہہ رہی ہیں۔"

"بس مجھے لگتا ہے۔" لہجے میں یقین تھا۔

"اچھا امی......! خدا حافظ اپنا خیال رکھیے گا۔ کارڈ ختم ہو رہا ہے۔" ساتھ ہی لائن کٹ گئی۔ بہت دیر تک وہ کچھ سوچتی رہیں۔

☆☆☆

حمزہ دھیرے دھیرے بڑا ہو رہا تھا۔ اس نے پاؤں پاؤں چلنا شروع کر دیا تھا۔ ما...... ما...... کہنے لگا تھا۔ ماما...... اس کی ذات...... اتنا بڑا رتبہ...... اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ حمزہ کھلکھلا کر ہنسا اور زیادہ زور زور سے ما...... ما...... کہنے لگا اور لاؤنج سے گزرتی راحمہ ٹھٹک گئی۔ کیسا انداز بے خودی تھا۔ بے اختیار اسے دیکھے گی۔

اس لڑکی کی خاموشی۔ چپ اور استقلال نے انہیں بہت متاثر کیا تھا کام، کام اور کام۔ سر جھکا کر کام کرنا اور چپ رہنا، پلٹ کر جواب نہ دینا۔ کسی زمانے میں یہی کتنی زبان دراز، چرب زبان اور جھگڑالو ہوتی تھی۔ اس کی باتیں اور اس کے انداز اور اب اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔ عباد کے بغیر کیسے رہ لی۔ اس کی نفرت تو ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اس کے بیٹے کو کیسے گود میں بھر لیا تھا حمزہ سے کھیلتے کھیلتے راحمہ بھابی پر نگاہ پڑی۔

"کوئی کام تھا بھابی......؟"

"آں...... ہاں...... نہیں تو......" ان کے انداز

نوٹ کرتی وہ پھر سے حمزہ سے کھیلنے لگی۔

آنٹی سارہ کا فون آیا تھا گھر بلا رہی تھیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ حمزہ اپنی دادی، دادا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عباد کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوئی تھی اس کے بعد ایک بار بھی اس نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ باہر کی دنیا سے گویا اس کا رابطہ منقطع تھا۔ گھر کی دنیا میں پناہ لی ہوئی تھی۔ کیسی سہیلیاں، کہاں کی پارٹیز سب اڑنچھو ہو گیا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا اب حمزہ کی ذات ہو گئی تھی۔ رعنا بھابی کا ہر تیر بے اثر رہا۔ عباد کے حوالے سے نہ سہی۔ حمزہ کے حوالے سے ایک بار پھر اس نے قدم جما لیے تھے۔ انہیں بھی اپنے خوابوں پر صبر کرنا تھا مگر صبر ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ فاریہ کی شادی ہو رہی تھی۔ اس دن کے امی کے لیکچر کے بعد ان کا رویہ محتاط ہو گیا تھا۔ انہوں نے الگ سے بلا کر تینوں کو بٹھا کر صاف کہہ دیا تھا "شایان نے ادھر ہی رہنا ہے اچھی ہے بری۔ عباد کی دلہن ہے۔ کسی کو اس کی دل آزاری کرنے کا حق نہیں جب کہ وہ معافی مانگ چکی ہے اور اس کے رہنے پر کسی کو اعتراض ہے تو وہ الگ انیکسی میں شفٹ ہو سکتا ہے۔" شایان کی خاطر اک اور انسلٹ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں مگر احترام بہر حال ملحوظ خاطر تھا۔

"امی! ویسے آپ لوگ زبردستی اسے رکھ رہے ہیں عباد نے آ کر دو حرف کہہ دیے تو پھر کیا کرے گی حمزہ کو بھی آپ نے اس کے حوالے کر دیا ہے۔ مجھے تو یہ سب کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا مقصد ہے۔ ان سب باتوں کا۔" ناگواری کا صاف اظہار تھا۔

"عباد دو حرف کہہ دیتا ہے یا نہیں...... یہ الگ مسئلہ ہے۔ وہ طلاق دے گا تو پھر گھر بدری اور عاق نامہ لے کر جائے گا۔" ان کا لہجہ قطعی تھا۔ "بس میں چاہتی ہوں اس گھر کے تمام لوگ شایان کو دل سے قبول کر کے اس کی دل آزاری کا سبب نہ بنیں۔" ان کا انداز حتمی تھا سب خاموش تھے۔ ساتھ رہنے میں جو سہولت تھی وہ الگ رہنے میں کہاں۔ ہر کام کی ذمے داری پڑ جاتی۔ یہاں تو مختصر کام ہوتا اپنا اپنا...... اور کبھی مل کر کر لیتے پھر اخراجات کی طویل لسٹ۔ رحمٰن صاحب کی جان تو بچوں میں تھی بچے بھی دادا کے بغیر رہتے نہیں تھے۔ کوئی یہاں سے الگ ہونے کی غلطی نہیں کر سکتا انہیں سرنگوں کرنا ہی تھا۔ اس لیے گھر کا ماحول قدرے بہتر تھا۔

وہ کھانا ابھی بھی ڈائننگ ٹیبل پر ان کے ہمراہ بیٹھ کر نہیں کھاتی تھی۔ کھانے کے دوران سرو کرنے میں مصروف رہتی۔ پانی کا جگ، گلاس، بوتل، سالن کے ڈونگے دوبارہ بھر کر لانا۔ روٹیوں کی کمی بیشی وہ احسن طریقے سے پوری کرتی۔ کافی بہتر کھانا پکا لیتی تھی۔ زبیدہ رحمٰن ساس تھیں مگر ماں بن کر لمحہ بہ لمحہ اس کے ساتھ رہیں۔ وہ ان کی بے حد شکر گزار تھی۔ ورنہ ساسیں کب ماں بنتی ہیں وہ خود بے حد نفیس اچھی اور مہربان خاتون تھیں۔ شایان ان کی دل سے قدر کرتی تھی۔

☆☆☆

اس روز موسم بے حد سرد تھا۔ بارش کے بعد ٹھنڈک میں اضافہ ہو گیا۔ حمزہ کو فلو اور بخار ہو رہا تھا۔ اسے چیک کرنے فیملی ڈاکٹر خرم اصفہانی گھر آئے تھے۔ موسم کا اثر کہہ کر معمول کی دوائیں دیں۔ سوتے میں بھی وہ سخت بے چین تھا ساری رات اسے گود میں لے کر گزاری مگر ماتھے پر شکن نہیں آئی۔

صبح وہ سو رہی تھی کہ ہلکے ہلکے شور سے آنکھ کھلی حالانکہ آج چھٹی کا دن تھا۔ مانوس سی آواز پر بے ساختہ اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ذرا سا سر نکال کر باہر جھانکا اور وہیں ساکت اور دم بخود ہو گئی۔

نیچے لاؤنج میں عباد بیٹھا تھا۔ امی کی گود میں سر رکھے۔ قدرے فاصلے پر رحمٰن صاحب تھے، راحمہ بھابی قدرے فاصلے پر تھیں۔ ہما اور فیضی صوفے پر بیٹھے تھے۔ امی رو رہی تھیں اور عباد انہیں منا رہا تھا۔ وہ آ گیا تھا جس کے لیے بے تحاشا دعائیں مانگی تھیں۔ خدا کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی تھی۔ وہ آ گیا تھا۔ اس کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں یا پھر آسمان کے ایوانوں سے ٹکرا کر پلٹ آئی تھیں۔ بے ساختہ پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ خالی الذہن صوفے پر بیٹھی دونوں ہاتھ گود میں رکھے۔ ابھی فیصلہ ہو جانا تھا۔ دھیرے دھیرے ہونٹ کاٹتی ساکت و جامد بیٹھی تھی۔ حمزہ ساری رات کی بے خوابی کے باعث اب گہری نیند میں تھا۔

کمرے کا غیر معمولی سناٹا...... اس کا دھک دھک کرتا دل اور گھڑی کی ٹک ٹک۔ نیچے کا مدھم مدھم سا شور سنائی دے رہا تھا۔

جانے کتنا وقت گزر گیا۔ حمزہ کروٹ لے کر بیدار ہوا۔ بے ساختہ گھڑی کی جانب نگاہ کی۔ گیارہ بج رہے تھے۔ دو گھنٹے سے وہ یہاں بیٹھی تھی...... تو......! اس کے وجود میں سناٹا پھیلتا چلا گیا۔ حمزہ منہ بسورنے لگا۔ اٹھ کر اس کا فیڈر بنایا اور اسے گود میں لے لیا۔ بخار نہیں تھا اسے تاہم فلو کے اثر سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ فیڈر پی کر وہ ایک بار پھر سو گیا۔ دھیرے سے پیار کیا اور بستر پر لٹا دیا۔ ایک بار پھر اکیلی خاموش بیٹھی رہ گئی۔ لاؤنج کا شور ڈائننگ روم میں منتقل ہو گیا تھا آوازیں کم ہو گئی تھیں۔

ایک بار پھر صوفے پر گر گئی۔ تو...... تو......! اس کے دل کی دھڑکنیں کم ہونے لگیں۔

اسے اماں ملی تھی، معافی نہیں۔ اس کے بدترین خدشات...... رعنا بھابی کے واضح نظریات اور...... آنٹی کے خیالات سب مجسم ہو کر سامنے آ گئے تھے۔ عباد آ گیا تھا مگر اس کے لیے نہیں آیا تھا۔ تو...... تو اس کا وجود کانپ گیا۔ بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس کے اندر سسکیاں سی ابھر رہی تھیں۔

وہ اس سے معافی مانگ لے گی۔ قدموں کو چھو کر، پیروں میں گر کر۔ اب حمزہ کے لیے معاف کر دے۔ وہ...... وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بے ساختہ اٹھ کر حمزہ کے پاس جا بیٹھی۔ اس کا ننھا منا سا ہاتھ تھام لیا، چوم لیا۔ دوسرے لمحے چونک گئی۔

''وہ...... وہ...... حمزہ سے ملنے نہیں آیا۔ میں نہ سہی حمزہ تو اس کا اپنا تھا، اپنا بچہ۔ اس کی خاطر...... آتا۔''

''اُف تو......'' ایک چھناکا سا ہوا۔ ''یہ...... یہ اس کا اپنا بچہ نہیں۔'' حمزہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا کئی خدشات اور واہمے اسے ڈرانے لگے۔ خوف کے آکٹوپس نے اسے جکڑ لیا۔ حمزہ ایک بار پھر اٹھ گیا۔ اسے گود میں بھر لیا۔

''اسی لیے تو ادھر نہیں آیا ورنہ......'' تبھی آہٹ پر بے ساختہ پلٹی۔ ہما دروازے میں کھڑی تھی۔

''چاچی، عباد چاچو آ گئے۔'' اس کے چہرے پر خوشی تھی۔

''اچھا!'' حمزہ کو سنبھالا۔

''آپ ملیں......؟'' اشتیاق سے پوچھا اور حمزہ کو چھونے لگی۔ ''اتنے پیارے ہو کر آئے ہیں۔ صبح کو سب سو رہے تھے اور اب وہ دادو کے کمرے میں سو رہے ہیں۔'' وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ ہما نے حمزہ کو لے لیا اور باہر چلی گئی۔ گھڑی تین بجا رہی تھی۔

''لعنت ہے میری زندگی پر!'' کارپٹ پر ڈھے گئی۔ ''لعنت ہے میری زندگی پر!''

کوئی معافی، کوئی کفارہ، کوئی سجدہ قبول نہیں ہوا۔

کیا وہ اتنی گناہ گار تھی؟ دل و نگاہ سے اترے لوگ کبھی دوبارہ جگہ نہیں پاتے۔ وقت کے ساحل پر جو سنگریزے بکھر جاتے ہیں انہیں کوئی نہیں سمیٹتا۔ وہ کیوں یہاں رہ رہی ہے؟ صرف عباد کے انتظار میں اس کی محبت میں مبتلا معافی مانگنے کے لیے اور وہ آ گیا تھا۔ معافی نہیں ملی تھی، ملتی تو یہاں ضرور آتا۔ وہ امی کے کمرے میں آ کر سو گیا تھا۔ گھما کر کمرے کے در و دیوار پر نگاہ کی۔ یہ اماں بھی چھننے والی تھی، وہ خالی ہاتھ تھی۔

شدت سے رونے اور سسک سسک کر رونے کی خواہش جاگی مگر آنسو مدت ہوئے آنکھ میں نہیں آئے تھے۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کے گولے پھنسنے لگے۔ سسکیاں سینے میں پھڑپھڑانے لگیں، دم گھٹنے لگا۔ سینے کو مسلتی، گردن دباتی بے اختیار وہ بالکونی کی جانب بھاگی۔ اس کی زندگی کی آکسیجن ختم ہو رہی تھی۔ بھلا آکسیجن کے بغیر کوئی رہ سکتا ہے۔ محبت کی آکسیجن...... آنکھیں جلنے لگیں۔ زمین پر بیٹھی وہ بہ مشکل سانس لے رہی تھی۔ پیاس...... شدت سے امڈتی پیاس سے وجود میں ببول اگا دیتے اس نے زمین پر بیٹھ کر نڈھال سے انداز میں دیوار سے ٹیک لگا لی۔ دو بوند پانی کی خواہش پوری کرنے والا کوئی نہ تھا۔

جانے کتنا وقت لگ گیا خود کو نارمل کرتے سنبھالتے مگر یوں لگا وجود اندر ہی اندر گویا کٹ رہا ہو۔

حمزہ کو لے کر کوئی بھی آ سکتا تھا۔ اسے اپنا آپ سنبھالنا تھا۔ دھیرے سے اٹھی اپنی ہمتوں کو جمع کیا اور کمرے میں آ گئی۔ دوسرے لمحے وہ چونک گئی۔ کمرے کے وسط میں کروفر سے گردن اٹھائے چہرے پر طنزیہ انداز اور ہونٹوں پر استہزائیہ ہنسی لیے رعنا بھابی کھڑی تھیں۔

''تمہارا شوہر آیا ہے۔ تم سے ملنے سالوں کا بن باس کاٹ کر اور تم اس سے ملنے نہیں آئیں؟'' وہ ان کو دیکھتی رہی۔

''جس کی محبت اور عشق میں تم نے جل بن مچھلی کی طرح وقت گزارا۔'' اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

''جس کے بچے کو تم نے ممتا دی۔ ما...... ما......'' وہ درمیان میں رک کر ہنسی اڑائی۔ ''ماما...... کہلایا اس کا باپ آیا ہے اور تم نے رخ روشن کا دیدار نہیں کرایا۔'' رعنا اس کی ہنسی اڑا رہی تھیں شایان کا سر جھک گیا۔

''میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ ایسا ہی ہے وہ ہاتھ سے چیز گر جائے تو وہ نہیں اٹھاتا۔ چہ جائیکہ نظر سے...اُف وہ بے حس ہو گئی تھی۔ رعنا بھابی سچ کہہ رہی تھیں۔ ان کے اندازے درست تھے۔ اس کے پاس بولنے کو تھا ہی کیا۔ عرصہ ہوا بولنا بھول گئی تھی۔ جب سے اس نے پڑھا تھا اور سنا تھا ایک چپ سو سکھ۔ صبر انسان کے دلوں کو فتح کر لیتا ہے چپ اور خاموشی سے دلوں کو جیت لیا جاتا ہے۔ رعنا بھابی اس کا تماشا دیکھنے آئی تھیں اور دیکھ رہی تھیں۔ اس نے رذائلِ اخلاق کو چھوڑ دیا تھا مگر فضائلِ اخلاق نے بھی اس کی ''رذالت'' کو نہیں دھویا تھا۔ اس کا ماضی آج بھی زندہ تھا۔ اس کے سامنے رعنا بھابی کی صورت میں کھڑا تھا اور اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''اب کیا کرو گی تم......اب بھی تو تم جاؤ گی نا...... اس گھر سے۔ کیا تھا اگر......اگر تم پہلے دفعہ ہی چلی جاتی تو......تو میرے خواب تو پورے ہوتے، میں اپنی بہن کو اس گھر میں لے آتی۔'' وہ کھلے انداز میں اپنی نفرت کا اظہار کر رہی تھیں۔ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ لفظ، آنسو، سسکیاں سب ختم ہو چکے تھے۔ وہ بولے جا رہی تھیں۔ زندگی کی سانسیں تھیں، احساس نہیں، دھڑکنیں تھیں مگر جذبے نہیں وہ سزا یافتہ مجرم تھی جسے عمر قید کی سزا ہوئی تھی اور عمر قید کی سزا عمر کی نقدی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اور عمر کی نقدی......! دھیرے سے نگاہ اٹھائی۔ جانے وہ کب کمرے سے چلی گئی تھیں۔ ہما، حمزہ کو لے کر کھڑی تھی اس کی ساری حسیات مفلوج ہو گئی تھیں۔

''دادو پوچھ رہی ہیں آپ نے کھانا کھا لیا؟''

دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر حمزہ کو تھام لیا۔

''چاچو تو بہت گہری نیند سو رہے ہیں۔ اٹھ ہی نہیں رہے۔ چاچو ہم سب کے لیے گفٹس لائے ہیں، کہہ رہے تھے کہ اٹھ کر دیں گے۔ اب پتا نہیں کب اٹھیں گے۔'' منہ بسورتی اطلاعات فراہم کرتی وہ باہر نکل گئی۔ حمزہ غنودگی میں تھا۔ اس کی گود میں آتے ہی اس کے سینے سے لگ کر سو گیا۔ اسے گود میں لے کر ادھر کارپٹ پر ہی بیٹھ گئی۔

کمرے میں ٹھنڈک اور سناٹا ساتھ ساتھ محوِ سفر تھے۔ شایان سفر کے لیے تیار تھی، اس کا بیگ ہنوز ڈریسنگ ٹیبل کی سائڈ پر پڑا تھا۔ ہلکی سی گرد کی تہہ تھی جو اکثر و بیشتر صاف کرتی رہتی تھی۔ اب عرصہ ہوا صاف نہیں ہوئی تھی۔

''کل صبح صاف کروں گی۔ اس سے پہلے عباد کہ جانے کے لیے کہے اس کا کمرا خالی کرنا ہوگا کب تک وہ امی کے کمرے میں رہے گا۔ میں خود یہ جگہ، یہ گھر چھوڑ دوں گی اور کتنا گروں گی......بس! بس...... آخری بار......عباد سے معافی مانگوں گی اپنا فرض پورا کروں گی اس کے بعد اس کے بعد۔'' دھیرے سے حمزہ کو بھینچ لیا۔ ''یہاں سے چلی جاؤں گی۔ پپا کے گھر، کسی دارالعلوم میں یا کسی ہاسٹل میں۔ اس دنیا میں گم ہو جاؤں گی۔ ایک نئی دنیا بسا لوں گی۔ حمزہ یاد آئے گا۔ دوسرے کے بچے کو ساتھ تو نہیں لے جا سکتی نا......'' آنکھیں موندے حمزہ کے بالوں پر چہرہ رکھے وہ خود سے محوِ کلام تھی۔ اس کے چہرے پر حزن، درد ایک ساتھ محوِ رقص تھے۔ اس کا تن من درد کی پھوار اور رنج کی بارش سے

بیٹھ رہا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ احساس قوی ہو رہا تھا۔ اب یہاں...... اس کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ زندگی کی بساط پر وہ دل کی بازی ہار چکی ہے اور اب اس کی زندگی کی شام ہے۔ نیچے لاؤنج میں ایک بار پھر شور کی آوازیں تھیں، قہقہے تھے۔ عباد کی آواز بلند تھی۔ جانے والا جو آ گیا تھا۔ اس کا پُرتپاک استقبال تھا۔ ابو کے قہقہے تھے، امی...... وہ چونکی۔

حمزہ اٹھ گیا تھا اس کے آگے کھلونے رکھ دیے۔ امی نے کچھ نہیں کہا ہوگا اس کے متعلق مگر عباد جو فیصلہ کر لیتا ہے وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ اس نے کہا ہوگا مجھے زبردستی کے لیے مجبور نہ کریں ورنہ...... ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔ مصلحتاً ہی سہی امی نے خاموشی اختیار کر لی ہوگی۔ امی اس سے بہت پیار کرتی ہیں سگی ماں جیسا...... مگر سگی ماں تو نہیں تھیں۔ سگا بیٹا آ گیا تھا۔ اس کے بارے میں خاموش رہ کر اسے روکنا بھی تو تھا ماں تھیں کب سے اولاد کے لیے بے قرار...... دعا گو۔ ابو کے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ حمزہ منہ بسورنے لگا۔ اسے بھوک لگی تھی۔ بسکٹ نکال کر دھیرے دھیرے اسے کھلانے لگی۔ وہ تو یہاں عضوِ معطل ہے۔ اس کی کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے تو وہ یہاں کیونکر قیام کر سکتی ہے۔

نیچے کھانا لگ رہا تھا۔ برتنوں کی آوازیں، بچوں کا شور، گلاسوں کی کھنکھناہٹ۔ نو کا گھنٹا بج گیا۔ ٹیلی ویژن پر خبریں شروع ہو گئیں۔

"آج میں نے عباد کی پسند کا کھانا پکایا ہے۔ عباد کی کھیر میں نے بنائی ہے۔ کتنے عرصے بعد آج ڈائننگ ٹیبل کی رونق دوبالا ہوئی ہے۔ میرے بیٹے کی رونق سے ہے۔" یہ امی کی آواز تھی۔ اسے بھوک تھی نہ پیاس، وہ کل سے بھوکی تھی۔ کل حمزہ کے بخار کی وجہ سے کھایا نہیں گیا تھا اور آج......! بھوک پیاس، تو خوشی کے زمانے ہیں اور وہ تو زندہ رہنے کے لیے کھاتی تھی۔ سارا دن نہیں کھایا تھا تو طلب بھی نہیں تھی۔ گویا زندہ رہنے کی خواہش بھی ختم ہو گئی تھی اور...... اور، خواہش پر زندگی شدید ضرب پڑ رہی تھی۔ اسے بلایا بھی نہیں گیا تھا۔ ڈائننگ روم کا شور اب لاؤنج میں منتقل ہو گیا۔

"چاچو میرا گفٹ...... چاچو میرا گفٹ۔"

"یہ کافی تمہارے لیے عباد۔ یہ کم چینی والی چائے ابو آپ کے لیے، امی یہ آپ کی اور یس بھائی آپ کے لیے بھی کافی ہے۔ راحمہ بھابی کی کھلکھلاتی ہوئی آواز تھی۔ رعنا بھابی کے ذومعنی فقرے تھے۔ ہلکی ہلکی موسیقی اور باہمی گفتگو۔ حمزہ کھیلتے کھیلتے پھر سو گیا تھا۔ دھیرے سے بستر پر لٹا کر اچھی طرح سے بستر ٹھیک کر دیا۔ حمزہ سو گیا تھا اس کی معصوم سی مصروفیات بھی ختم ہو گئی تھیں۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔ کرنے کے لیے تھا ہی کیا اور اب تو کچھ کرنا ہی نہیں۔ آس و امید بھی ختم۔

عباد آ گیا تھا۔ فیصلہ ہو گیا، خسارہ اس کے حصے میں آیا تھا۔ "صبح آپی کو فون کروں گی۔ میں آ رہی ہوں، آپ ٹھیک کہتی تھیں۔ زبردستی کے قیام سے دل آباد ہوتے ہیں نا گھر۔ فیصلہ ہو گیا۔" گھٹنوں پر سر جھکا لیا۔ بے اطمینانی، بے سکونی تن من میں رقص کرنے لگی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا سوچتے سوچتے یا ذہنی اور روحانی تھکان نے نیند کی مدہوشی میں مبتلا کر دیا تھا۔

جھٹکے سے آنکھ کھلی۔ سامنے حمزہ سو رہا تھا اور گھڑی میں ایک بج رہا تھا گھر میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ اک عجیب سا درد اور تکلیف اس کے وجود میں سرایت کرتے چلے گئے۔ گویا اس پر منوں بوجھ پڑ گیا ہو۔ دھیرے سے بہ مشکل اٹھی۔ اسے نیچے جانا تھا۔ حمزہ کے فیڈر اور دودھ کے لیے پانی کے فلاسک کو پھر سے بھرنا تھا اور معمول کے کام نمٹانے تھے نیچے جا کر۔ لاؤنج کی ترتیب اور صفائی، کچن سمیٹنا تھا۔ یہ برسوں سے اس کی ذمے داری تھی۔ کل وقتی ملازمہ چلی گئی تھی۔

"عباد!" دھیرے سے دروازہ کھولتے کھولتے رک گئی۔ مڑ کر کمرے میں نگاہ کی وہ جانے کہاں سویا ہو گا۔ کمرا ابھی تو خالی کرنا ہے سب چیزیں ابھی آ کر سمیٹنی ہیں...... صبح، صبح...... خود سے سوچتی دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اپنی ٹوٹی ہمتوں کو جمع کرتی ریلنگ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ہر سو ملگجا سا اندھیرا تھا۔ سب سو... جا چکے تھے۔ بہ مشکل نیچے اتر رہی تھی

سنبھل سنبھل کر اٹھی، لاؤنج کے صوفوں کے کشن، فلور کشن، اخبار، کاغذ سمیٹے، چائے کے کپ ٹرے میں رکھے۔ مونگ پھلی کے چھلکے سمیٹے۔ لاؤنج کے شیشے کے دروازے کے پاس کھڑا ملگجے اندھیرے میں اندر دیکھتا عباد...... ساکت ہوگیا۔ درد کی سی کیفیت ہمراہ تھی۔

لاؤنج کی ترتیب اور صفائی کر کے شایان کوڑا اور برتن لے کر کچن میں جا رہی تھی۔ اترا ہوا چہرہ، بکھرا ہوا ملگجا سا وجود۔ سر کے گرد لپٹا دوپٹا، کچن میں جا کر اس نے فیڈر ابالنے کے لیے رکھا۔ فلاسک دھو کر گرم پانی سے بھرا۔ دودھ کے ڈبے سے دودھ نکال کر جار میں ڈالا۔ حمزہ کا کام پہلے کیا اور چیزیں ڈائننگ ٹیبل پر رکھیں۔ وہ کسی وقت بھی اٹھ سکتا تھا۔ گندے برتنوں کا ہجوم بے کراں دھلنے کا منتظر بیسن میں پڑا اسے آس و امید سے دیکھ رہا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل صاف کر کے، برتن سمیٹ کر کچن میں لے آئی۔ اب لاؤنج اور ڈائننگ روم صاف تھا۔

عباد کی حیرت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک پل کے لیے کام کرتے کرتے وہ لڑکھڑائی۔ وجود میں درد سا ہونے لگا۔ بے اختیار سنک تھام لیا۔

"یہ کام تمہارا ہے تم ہی نے کرنا ہے کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" ایک بار رعنا بھابی نے اس کی ذمے داری لگاتے ہوئے کہا تھا۔ اپنے حوصلے اور برداشت کو ہموار کر وہ دھیرے دھیرے برتن دھونے لگی۔ ہلکی سی بھوک کا احساس ہوا تو ایک گلاس پانی کا پی لیا۔ تبھی گھر کے غیر معمولی سناٹے میں مدھم سا احساس ہوا۔ بے اختیار پلٹی اور کچن کے دروازے تک آئی۔ شاید حمزہ رو رہا ہے۔ سننے کی کوشش کی مگر حمزہ نہیں تھا۔ پلٹ کر واپس ہوئی۔ درد کی لہر ساتھ ساتھ تھی۔ سارے برتن دھلے تو رات کے تین بج رہے تھے پھر کچن صاف کیا۔ ہر چیز قرینے سے رکھی، بوتلیں بھر کر فریج میں رکھیں۔ وہ کام کر رہی تھی۔ لائٹ آف کر کے کچن سے باہر آگئی۔

ابھی اوپر جانے کے لیے لاؤنج سے ہو کر گزرنا تھا سیڑھیاں اور اس کا درد...... دھیرے سے سانس لینے اور سانسوں کو ہموار کرنے کے لیے ڈائننگ ٹیبل کی چیئر پکڑ کر اس پر گری گئی۔

اس کے اندر درد کے بھنور سے اٹھ رہے تھے۔ پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔ لمحے بھر کو طبیعت سنبھلی۔ ساتھ ہی حمزہ کا خالی فیڈر اور جار رکھا تھا۔ یہ چیزیں اسے اوپر لے کر جانی تھیں اور اس کی ہمت...... دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر فیڈر اٹھالیا۔ حمزہ کا فیڈر...... دھیرے سے اسے چوم لیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھ رہی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر فیڈر اٹھانے لگی اسے اپنا اندر بالکل خالی لگ رہا تھا...... جیسے رگیں کٹ رہی ہوں۔

اس کی ڈگمگاتی حالت، زرد رنگت، لاغر وجود کو عباد بس عالمِ تحیر سے دیکھے جا رہا تھا۔ امی نے فون پر بارہا کہا تھا۔ شایان وہ نہیں رہی بہت بدل گئی ہے اور وہ کتنا بدل گئی ہے وہ دیکھے جا رہا تھا۔ وہ تیزی، وہ طراری، وہ تنتنا، وہ بانکپن، چہرے کا غرور شاید مستعار لیا ہوا تھا۔ اس کا اصل یہ تھا کیا...... پھر وہ سب کیونکر بدلی ایسا کیا ہوا تھا۔ یہ تو کبھی ہل کر پانی بھی نہیں پیتی تھی چہ جائیکہ لاؤنج سے کچن تک کی صفائی۔ وہ دم بخود سا دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

فیڈر بنا کر فیڈر کو دیکھا اور چوم لیا۔ درد اس کے وجود کی طنابوں کو ہلا رہا تھا اور اسے برداشت کرنا تھا۔ کوئی خیال رکھنے والا ہمدرد مہربان یہاں کوئی نہیں تھا۔ اب تو آس کے جگنو بھی ختم ہو گئے تھے۔ دھیرے سے ٹیبل پر سر رکھا۔

"بس ایک بار عباد سے سوری کہہ کر اس کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ زبردستی مسلط نہیں ہوں گی عباد کو میری کی ضرورت ہی نہیں ہے برے لوگ...... کبھی بھی اچھے نہیں ہوسکتے کیا......؟" وہ درد کی لہروں کو اپنے وجود سے گزرتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ ایک دم یوں لگا جیسے اس کا ذہن سو جائے گا ہمیشہ کے لیے بمشکل دھیرے سے سر اٹھایا۔ آنکھیں جلنے لگیں۔ شاید وہ مر رہی ہے۔ اس کا وجود گویا کٹ رہا تھا اس زندگی سے اس کا واسطہ ختم ہو رہا ہے۔ بہ مشکل چیئر بیک سے ٹیک لگا کر خود کو سنبھالا۔

"اے اللہ...... اے اللہ...... بس...... تھوڑی سی مہلت۔ بس ذرا سی اتنی کہ میں یہ فیڈر حمزہ کو دے دوں۔ اسے بھوک لگے گی۔ وہ اٹھنے والا ہوگا۔" اس کا ذہن غنودگی میں جانے لگا۔ فیڈر ہاتھ سے پھسلتا ہوا نکلنے لگا۔ بمشکل گرفت مضبوط کی۔ "حمزہ روئے گا" درد کا جھٹکا شدت سے لگا پھر ایک دم سے پل بھر میں سکون پھیلتا چلا گیا۔

"بس اللہ اتنی مہلت کہ میں عباد سے معافی مانگ لوں...... اگر اس سے معافی نہیں مانگی تو مجھ پر دوزخ بھی حرام ہوگی اور جنت ......" اک حزن زدہ ہنسی نے ہونٹوں کو چھوا۔ "جنت تو نصیب والوں کو ملے گی میرا تو پور پور گناہ گار ہے۔" درد کی رفتار تھوڑی ٹھہر ٹھہر کر اٹھ رہی تھی۔ فیڈر کو مضبوطی سے تھام کر بمشکل کھڑی ہوئی۔ ٹانگوں سے جان نکل رہی تھی۔

"بس اے اللہ...... یہ فیڈر...... میں حمزہ کے منہ سے لگا دوں۔ مجھے طاقت دے۔" بند ہوتی آنکھوں کو کھول کر سامنے دیکھا۔ اسے پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر جانا تھا۔ پندرہ...... سیڑھیاں جو دن میں کتنی بار اترتی تھی اور اب ایک قدم چڑھنا محال لگ رہا تھا۔ گھسٹ کر قدم جمائے۔ اس کی ہمتیں زمیں بوس ہو رہی تھیں۔ ایک تین چار...... لب بام سیڑھیاں تھیں۔ اس کی سانس رکنے لگی اور...... درد کا شدید جھٹکا لگا۔ بے اختیار نیچے گرتی چلی گئی۔ فیڈر پھسل کر دور چلا گیا تھا۔

"اے میرے اللہ...... بس......" نگاہ اٹھا کر دور پڑے فیڈر کو دیکھا۔ بمشکل دوزانو ہو کر ہاتھ بڑھا کر فیڈر گھسیٹ لیا۔ اسے ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ پھر ٹھہر ٹھہر کر سنبھلی "اے اللہ دو کام نہ سہی ایک ہو جائے فیڈر حمزہ...... کو دے دوں۔" اپنی ہمت کو جمع کر کے اٹھنے لگی۔ بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول رہی تھی' کرسی کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی اور...... دوسرے لمحے...... سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔

"ع...... با...... د" ہونٹ خشک ہو گئے۔

"آپ......" ہاتھ میں پکڑا فیڈر ٹیبل پر رکھا اک ٹک دیکھتی آنکھیں ساکت ہو رہی تھیں۔

اس کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا۔ جھٹکے شدت سے اٹھ رہے تھے اور لحہ لحہ ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان آنکھوں میں اپنائیت نہیں تھی' محبت نہیں تھی' خیال دھیان بھی نہیں تھا اور...... اور نہ پچھلی رفاقتوں کا کوئی عکس نہیں تھا۔ سنگ دلی سے اٹھی ساکت آنکھیں۔ ساحر آنکھوں میں اس کا لرزتا ہوا عکس لہرا رہا تھا۔

"م...... مجھے...... عباد...... معاف کر دیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں کو جوڑ دیا۔ "میری غلطیاں، میری کوتاہیاں۔ میر...... ے...... گناہ۔" اس کی ہمت نے اس کے قدموں کو تھام رکھا تھا۔

"میں نے کوشش کی...... میں اچھی لڑکی بنوں...... م...... مگر...... شاید میں کبھی بھی اچھی نہ بن سکوں۔" عباد ساکت نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"مجھے آپ کا انتظار تھا۔ بس معاف کر دیں۔ مجھے آپ کا انتظار تھا۔ بس معاف کر دیں۔ میں...... میں کل...... یہ گھر چھوڑ جاؤں گی۔" اس کے وجود میں کرچیاں سی چبھنے لگیں۔

"مجھے معاف کر دیں...... گے...... نا......؟" اس کے وجود میں کرچیاں سی چبھنے لگیں۔

"مجھے معاف کر دیں...... گے...... نا......؟" لہرا کر کرسی کو تھاما۔ ہاتھ فیڈر سے ٹکرایا اور فیڈر اس کی پہنچ سے دور پھسل گیا۔

"تم...... ہا...... ری طبیعت...... خراب ہے۔" عباد آگے بڑھا۔

"آ...... ں۔" ٹیبل کو تھام کر فیڈر پکڑا۔

"حمزہ...... بھوکا...... ہو...... گا۔ اس نے اٹھنا ہے...... یہ فیڈر...... اسے۔" دوسرے لمحے اس کا وجود بہکا...... درد کا جھٹکا شدید تھا۔ اس کی ہمتیں، قوتیں، درد کے ساحل پر بکھرتی چلی گئیں۔ گرتے گرتے اس کا سر ٹیبل سے، پھر چیئر سے ٹکرایا اس کا وجود نیچے گرتے ہوئے سر عباد کے پیروں کے پاس ٹھہر گیا۔ سر سے خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا۔

"یہ فیڈر......!" اس کے لب ہلے۔ بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا...... عباد کے پیر...... اس کا رکتا

ہوا۔ دل۔ زور سے دھڑکا۔ دھیرے سے ان پیروں کو تھام کر سر رکھ دیا۔

''م..... مجھے..... معاف......''

''شایان..... شایان.....'' اس کا گرتا وجود..... اسے حواسوں میں لے آیا۔ ''شایان..... شہنی.....'' وہ بھاگتا چلا گیا۔ سرخ گاڑھا، گرم خون اس کے پیروں کو بھگو رہا تھا۔ اور اس کی تیز آواز..... بلکہ چیخ نے تمام کمروں کے بند دروازے کھول دیئے۔

''کیا ہوا.....؟ کیا ہوا؟'' اسی پل حمزہ زور سے چیخ مار کر اٹھا اور رونے لگا۔

''کیا ہوا.....؟''

''ہائے!'' زبیدہ رحمٰن تو دیکھ کر ہی ساکت ہوگئیں۔ عباد شایان کو ہاتھوں میں اٹھا کر باہر بھاگ رہا تھا۔ اس کی وائٹ ٹی شرٹ سرخ ہو رہی تھی۔

''بھابی..... آئیں جلدی سے۔'' عباد بھی حواس کھو رہا تھا۔ حمزہ کے رونے کی آواز پھیلتی جا رہی تھی بھوک کے احساس سے رو رہا تھا یا اس دکھ کو محسوس کر رہا تھا جو اس کی ماں جیسی ماں سہہ رہی تھی۔

☆☆☆

''ان کو دل کا شدید اٹیک ہوا ہے۔ اس سے پہلے شاید انہیں نروس بریک ڈاؤن کا اٹیک ہوا ہے ہلکا سا۔ ان کے اندر قوتِ مدافعت ختم ہوگئی ہے۔ انہیں یا تو ان کی زندگی بچالے گی۔ یا کوئی معجزہ..... مصنوعی تنفس کب تک زندگی دے سکتا ہے۔ آکسیجن پر انسان کب تک رہ سکتا۔ آکسیجن بھی بمشکل لے رہی ہیں۔'' ڈاکٹر مرتضیٰ ہارٹ سرجن خصوصی فون پر بلوائے گئے تھے پچھلے دس دنوں سے وہ آئی سی یو روم میں تھی۔

ڈاکٹرز کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے رہے تھے اور اس کی زندگی سب کو کتنی عزیز تھی۔ وہ دیکھ لیتی تو خوشی سے مر جاتی۔ ہر آنکھ اس کے لئے اشکبار تھی۔ حمزہ رو رو کر بیمار ہوگیا تھا کچھ نہیں کھا رہا تھا۔ زبیدہ خاتون مصلے سے نہیں اٹھ رہی تھیں۔ اور وہ جو ہمیشہ ان کی قربت اور محبت کو ترستی رہی جو دیکھ لیتی کہ کیسے اسے شیشے کے پار سے ترحم، محبت، چاہت سے دیکھ رہے تھے تو شاید کبھی ہوش میں نہ آتی..... جن آنکھوں کی غیرت، اجنبیت، گریز، خالی پن اور محبت کی عدم موجودگی دیکھ کر اس کی طبیعت مزید خراب ہوگئی تھی..... جو دیکھ لیتی، کیسے ان آنکھوں میں اس کے کھو جانے کا ڈر..... کچھ ہونے کا ڈر، خوف اور کچھ دہشت آن بسی تھی تو ایک دم سے اپنے وجود سے تکلیفوں کے بادل کو اڑا دیتی۔ مگر دکھوں کے بوجھ سے اس کا وجود بوجھل تھا۔ سہارے دور..... امید اور آس کے جگنو اڑ گئے تھے۔ اور مایوسی تو انسان کو بہت دور لے جاتی ہے زندگی سے۔

☆☆☆

''عباد، عباد کیا کہا تھا تم نے اس سے۔ میں نے کہا تھا نا وہ بہت بدل گئی ہے۔ اسے کچھ ہوگیا تو میں۔ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ کبھی بات نہیں کروں گی۔'' زار زار روتے ہوئے زبیدہ رحمٰن نے کہا۔ عباد نے بے اختیار انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

''خدا کی قسم میں نے اسے کچھ نہیں کہا میں تو اس سے ملنے کے لئے نکلا تھا۔ کمرے سے باہر لان میں ٹہل کر اندر آیا۔ وہ کچن میں مصروف تھی۔ میں تو بس اسے دیکھتا رہا.....'' ماں کے گرد بازو پھیلا کر انہیں اپنے ساتھ لگائے وہ بھیگی آنکھوں سے بتا رہا تھا صفائی دے رہا تھا۔ آنسو گر رہے تھے۔

''کام کرتے' فیڈر بناتے' بوتلیں بھر کر فریج میں رکھتے وہ بہت ذمے دار اور سوبر لگ رہی تھی اور میں آپ کی باتوں پر یقین و ایمان لا رہا تھا۔ واقعی وہ بدل گئی تھی میرے لئے..... میری خاطر میری محبت میں..... میں حیران بھی تھا۔'' ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔

''میری عدم موجودگی میں کیا..... میری محبت اتنی شدید تھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا میں اندر سے خوش تھا ساری خفگیاں جھٹک کر میں اس کی جانب بڑھا تھا اسے حیران کرنے کے لئے اسے..... یہ خوشخبری دینے کے تم جیت گئی ہو۔ م..... مگر..... امی..... اس کی طبیعت خراب تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ فیڈر حمزہ کو دینا چاہتی تھی۔ میں بے ساختہ آگے بڑھا تھا

سے سنبھال لوں۔ اسے جانے کیا ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر حیران ہوئی اس نے یکدم ہی اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر معافی مانگی اس کی زرد رنگت، بے جان آنکھیں...... خشک ہونٹ۔ میں ساکت تھا اور وہ میری خاموشی کو جانے کیا سمجھی۔ وہ گری۔ اس کے سر سے خون پھوٹ پڑا۔ امی......" وہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو...... دیا۔

"میں نے اسے معاف کر دیا تھا۔ تبھی تو اس کی جانب بڑھا تھا۔ میں اسے سہارا دینا چاہتا تھا م...... مگر اس نے گرتے ہوئے میرے پیروں پر سر رکھا۔ اپنے گرم ہاتھوں سے میرے پیر تھام لیے تھے۔ اس کے گرم خون کی حدت نے مجھے لرزا دیا۔ امی...... میرا یقین کریں میں نے اسے اک لفظ نہیں کہا۔" زبیدہ رحمٰن نے اپنے آنچل سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ جانے کہاں سے اس کے لیے محبت امڈ کر آ گئی تھی۔ دھیرے سے اس کے بالوں کو سمیٹا۔

"تیری محبت نے اسے بدل دیا ہے عباد۔ وہ...... وہ تو نہیں رہی تھی۔ ادب، تمیز، تہذیب جانے کہاں سے اس میں سما گئے۔ وہ سب آزادی اور ماڈرن تہذیب جانے کہاں روپوش ہو گئی۔" دھیرے سے عباد کا سر گود میں رکھ لیا۔

"نماز...... روزہ...... عبادت بس یہی کام رہ گئے تھے۔ پھر اس نے مجھ سے کام سیکھا، کھانا پکانا...... تمہاری پسند کے کھانے۔ پکائے۔ وہ بہت اچھی تھی ہم لوگ جلد باز تھے۔ جب بچے کو سمجھانے، سکھانے والا کوئی نہ ہو تو وہ جدھر منہ اٹھائے چل پڑتا ہے اب وقت اور زمانہ اسے جو بھی سکھائے، اڑتے پتے کو جہاں لے جائے۔ قسمت سے اسے دوست اچھے ملے نہ استاد...... وہ بگڑتی چلی گئی۔" اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے وہ دھیرے دھیرے عباد کو بتا رہی تھیں۔

"اس کی زندگی میں سنوارنے والے ہاتھ تھے نہ دعائیں...... اس کا تو قصور ہی نہیں تھا۔ برائی میں کشش ہوتی ہے۔ اس نے بری عادتوں کو اپنا لیا۔ مگر برائی...... زیادہ عرصے تک پنپ نہیں سکتی اگر انسان کا خمیر نیک ہو۔ جب اس گھر میں دوبارہ آئی تو وہ ایک نئی لڑکی کا جنم لے کر آئی اس کی تربیت میں نے کی۔ وہ بہت خوش تھی۔ مجھ سے باتیں کرتی، روتی ہنستی، میری سہیلی بن گئی۔ رعنا، راحمہ اور ندا نے شاید اسے معاف نہیں کیا حالانکہ اس نے ایک ایک فرد سے معافی مانگی۔ وہ سر جھکائے عاجزی اور انکساری سے رہتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس نے گھرداری کے بہت سے کام اپنے ذمے لیے تو بہوؤں نے بہت سے کاموں کا ذمے دار بنا دیا۔ وہ سب کے کام کیے جاتی اور ایک حرف نہ کہتی، لگی رہتی تھی۔ شادی کی خبر نے اسے توڑ دیا تھا۔ عباد تم نے شادی کیوں کی؟" عباد دھیرے سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ گہرا سانس لے کر سر جھکایا۔

"تم اسے ہی دوبارہ اپنا لیتے۔ جانتے ہو تمہاری شادی کا مجھے کتنا دکھ تھا کہ ہمارے خاندان میں بھی......"

"امی!" دھیرے سے ان کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"میں نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ میرے دوست عادل مراد کا بیٹا ہے جس نے وہاں شادی کی تھی بدقسمتی سے روڈ ایکسیڈنٹ میں اس کا انتقال ہو گیا اس کے ماں باپ تو تھے نہیں اس لیے میں نے دوستی نبھائی اور بچے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ میں کیسے وہاں بچے کو رکھتا اس لیے اپنا بیٹا کہہ کر یہاں بھجوا دیا۔ ان دنوں کچھ شایان کی وجہ سے دماغ بھی خراب رہتا تھا۔ اس لیے میں نے مشہور کر دیا کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے اور حمزہ میرا بیٹا ہے......" زبیدہ رحمٰن اسے دیکھتی رہ گئیں۔ "اس جھوٹ پر میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔"

"اور اس جھوٹ کو تیری محبت میں کس دل سے نبھایا شایان نے یہ اس کا دل جانتا ہے، آفرین ہے اس پر۔ تمہاری شادی کی خبر نے اسے بالکل چپ کر دیا۔ میرا دل چاہتا کہ وہ تمہاری باتیں کرے مگر جانے کیا چیز ایسی تھی جو اس کی آنکھوں میں ٹھہر گئی تھی۔ میرا دل چاہتا وہ روئے، وہ یہاں سے چلی جائے مگر اک گہری چپ تھی جو اس کے گرد حصار باندھے کھڑی تھی۔ میکے میں تھا کون جو وہاں جاتی۔ جانے کس چیز نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا۔" عباد انہیں دیکھتا دم بخود ہو رہا تھا۔

"تم نے اسے کچھ نہیں کہا اس کی حالت اتنی

خراب کیسے ہوئی؟'' تذبذب سے اسے دیکھا۔

''میں نے واقعی اسے کچھ نہیں کہا امی...... '' انہیں یقین دلاتا وہ خود بے بس ہو رہا تھا۔

''میں عصر کی نماز پڑھ لوں پھر مجھے بھی اسپتال لے کر جانا۔'' دھیرے سے وہ اس کے پاس سے اٹھیں۔ اس نے وہیں کشن منہ پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ آنکھوں میں شدید جلن کا احساس ہونے لگا۔

☆☆☆

آئی سی یو روم کے شیشے کی دیوار سے پیشانی ٹکا کر اندر دیکھا۔ آج بھی اس کا وجود بے حس و حرکت تھا۔ آکسیجن ماسک اسے دھیرے دھیرے آکسیجن دے رہے تھے۔ مصنوعی تنفس۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے انہیں کوئی شدید شاک لگا ہے ان کے اندر قوتِ مدافعت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ قطرہ قطرہ ڈرپ اس کے اندر توانائی پھینک رہی تھی مگر کوئی کوشش بار آور نہیں ہو رہی تھی۔

''اٹھو' دیکھو میں آیا ہوں عباد۔ تمہارا عباد...... تمہاری جانب لوٹ آیا ہوں۔ تم جیت گئی ہو۔ تم کہتی تھیں تم جہاں کہیں سے مجھے دیکھتے ہو مجھے محسوس ہو جاتا ہے اب میں تمہیں کتنے گھنٹوں سے دیکھ رہا ہوں تمہیں کچھ نہیں ہو رہا۔ تمہاری محبت میرے وجود میں پھر سے شب خون مارنے لگی ہے۔ میں...... میں پھر سے ''تم'' ہو گیا ہوں۔ اٹھو...... اٹھو یار...... اب...... جاگ جاؤ نا۔'' بے بسی سے مکا دھیرے دھیرے شیشے کی دیوار پر مارنے لگا۔

''میں تو اس دن تمہاری جانب حیرانی اور محبت سے بڑھا تھا کہ ایک دم سے تمہیں اپنے حصار میں لے کر حیران کر دوں گا...... مگر...... مگر تم نے تو مجھے حیران کر دیا۔ مجھے...... مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اتنی دلبرداشتہ ہو چکی ہو۔ جب میں نے تمہارا یہ روپ دیکھا تھا۔ میں...... میں تو تمہیں پہلے والی شایان ہی سمجھتا رہا۔ کب کسی کی عادت بدلتی ہے مگر...... مگر...... تم نے عادات ہی نہیں اعتبارِ محبت بھی بدل دیا۔''...... شدتِ ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بے حس و حرکت وجود ابھی بھی ساکت و جامد تھا۔ قطرہ قطرہ اترتا ڈرپ کا پانی اسے جانے کون سی نوید دے رہا تھا۔ شانے پر دباؤ پر بے اختیار پلٹا۔ ڈاکٹر قاسم کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میرے دوست لگتا ہے تمہیں اپنی بیگم سے بہت انسیت ہے؟'' پُروقار لہجے میں کہتے اس کے شانے پر اپنا بازو دراز کرتے آگے بڑھے۔ اک حزن سا اس کے چہرے پر پھیل گیا۔

''میں کافی دیر سے تمہیں اپنے روم سے دیکھ رہا ہوں مگر تمہیں تو گویا اپنے اردگرد کی ہی خبر نہیں۔'' اسے لے کر اپنے روم میں داخل ہوئے اور اسے بیٹھنے کی آفر کی۔

''آج ایک مسٹری تو حل کرو۔'' مبہم سے انداز میں مسکرائے۔ اس کے سامنے بیٹھ کر دونوں بازو ٹیبل پر رکھ کر اسے دیکھا۔

''ایسا کون سا صدمہ' کون سا دکھ تمہاری بیگم کو ملا ہے کہ اس کے اثرات زائل ہی نہیں ہو رہے۔ اتنی کم عمر' معصوم سی ہے اور زندگی کی طرف واپس ہی نہیں آ رہی۔'' ڈاکٹر قاسم باہمی مشاورت سے اس مسئلے کو حل کرنا چاہ رہے تھے۔ عباد چند لمحے تک انہیں دیکھتا رہا پھر سر جھکا لیا۔

''محبت تو اس کے دل میں سلامت تھی مگر اس کے دل سے محبت کا یقین اور اعتبار ختم ہو گیا تھا اور زندگی سے یقین و اعتبار ختم ہو جائے تو کیا رہ جاتا ہے پیچھے......'' اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہونے لگیں۔ ڈاکٹر قاسم اس کی تمام کیفیات نوٹ کر رہے تھے۔

''بتانا نہیں چاہتے یا......''

''محبت......! اس کا دکھ محبت ہے وہ مایوسیِ محبت کا شکار ہو گئی ہے۔''

''اوہ!'' اک دم سے انہیں دکھ ہوا۔ ''کسی بھی چیز کی مایوسی انسان کو مار ڈالتی ہے برخوردار...... ایسی نوبت کیوں آئی؟''

''اس کے لیے مجھے بہت دور جانا پڑے گا اور فی الحال مجھے صرف اس کی فکر ہے۔ کوئی سبیل' کوئی دوا......!'' تفکر آمیز انداز میں کہا۔

''دعا! صرف دعا اسے بچا سکتی ہے' دوا کے

بعد۔'' اس کا سر جھک گیا۔

''دعا...... کتنے دنوں سے دعا ہی تو مانگ رہے تھے امی ابو...... وہ خود۔ اس کے لیے جذبِ دل سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے۔'' اسے اپنے دل میں ہلکا ہلکا درد سے محسوس ہونے لگا۔ نہیں اسے اس یقین کی ضرورت ہے جو اس کے دل میں تھا اور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔

''عباد! اس کے کمرے میں جاؤ۔ اسے پکارو...... اپنے ہونے کا یقین دلاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے۔'' ڈاکٹر قاسم خلوصِ دل سے مشورہ دے رہے تھے۔

''ہاں...... شاید...... اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔'' دھیرے سے سر ہلایا اور جب بہت دیر بعد وہ وہاں سے اٹھا تو خاصا ہلکا ہو رہا تھا۔ اس کے اندر اک سکون سا پھیل رہا تھا۔ اضطراب کا اثر زائل ہو رہا تھا۔

☆☆☆

نرس اس کے اردگرد موجود اس کا کمرا صاف کر رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ ایسے ہی اس کے پاس کھڑی دیکھتی رہتی تھی۔ کتنی کم عمر اور معصوم سی لڑکی اور دل کی مریض...... آج اسے کافی دن ہو گئے تھے۔ یہاں ایڈمٹ ہوئے۔ کتنی لکی ہے یہ ہر وقت اس کی محبت میں مبتلا لوگوں کا ہجوم اس کے اردگرد رہتا ہے اور اس کا شوہر اسے کیسے دیکھتا ہے اُف! اسے جھرجھری آ گئی۔ فائل ٹھیک کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ دوسرے لمحے چونک گئی۔ اس کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اس کا سر ہلا تھا۔ بے اختیار اس کی جانب بڑھی۔ بند آنکھوں پر اضطرابی کیفیت تھی۔ اس کے ہاتھ نے حرکت کی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے ہوش آ رہا تھا اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ اس وقت دروازہ کھول کر ڈاکٹر قاسم اور ڈاکٹر رباب کے ساتھ عباد اندر داخل ہوا۔

''ڈاکٹر...... دیکھیں انہیں ہوش آ رہا ہے۔'' اس نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں۔ چہرہ ماسک سے ڈھکا ہوا تھا۔ ڈاکٹر قاسم نے کلائی تھام لی۔ ڈاکٹر رباب چیک اپ کرنے لگیں اور...... عباد اس کے پیروں کے قریب کھڑا شدید مضطرب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیسی ہو؟'' ڈاکٹر رباب نے پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''ہیلو گرل!'' ڈاکٹر قاسم کا لہجہ خوشگوار تھا۔ اس کی آنکھوں میں یاسیت اور تھکن کے رنگ نمایاں تھے۔ دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔

''تم ٹھیک ہو بیٹا خود کو سنبھالو' دیکھو یہ سب تمہارے اپنے پاس ہیں' تمہارے لیے دعا کر رہے ہیں۔ تمہارے ٹھیک ہونے کی۔'' اس کی پلکیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔

''اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو بیٹا؟'' ڈاکٹر رباب نے ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''آنکھیں کھولو بیٹا!'' مگر ایک بار پھر اس کا دھیان تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر قاسم نے گہرا سانس لے کر عباد کو دیکھا پھر اس کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگے۔ کچھ دوائیوں میں ردوبدل کیا۔ نرس کو ڈرپس میں انجکشن ڈالنے کی ہدایت کی عباد دکھ سے اسے دیکھتا ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

☆☆☆

اگلی بار اسے ہوش آیا تو اس کے روم میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی تمام حسیات الرٹ ہو کر جاگ گئیں۔

''وہ زندہ ہے...... کیوں زندہ ہے۔ اس زندگی میں اے اللہ کیا رکھا ہے اب......'' اس نے چھت کی جانب دیکھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی وہ مر گئی ہے۔ دنیاوی جھنجٹ سے نجات پا گئی ہے مگر...... مگر...... یکدم بازو کھینچا اور بازو میں لگی ڈرپس کی سوئی کھال چیرتی ہوئی نکل گئی۔ تکلیف کی شدت سے یکدم آنکھیں بھیگیں۔

دوسرے لمحے سارے منظر یاد آ گئے ''حمزہ...... حمزہ کہاں' کیسا ہو گا؟ اسے بھوک لگی تھی اور عباد! عباد'' دوسرے لمحے دکھ سے آنکھیں اک جگہ رک سی گئیں۔ سارا منظر سامنے تھا۔ خالی نظروں سے دیکھتا عباد۔ کسی بھی جذبے کا کوئی رنگ نہیں تھا۔ ''تو...... تو پھر میں کیوں زندہ ہوں۔ اے اللہ میں بری لڑکی ہوں اور برے لوگوں کو زندہ رہنے کا حق ہی نہیں۔ بس اب مجھے...... مجھ میں اور سکت نہیں''۔ اس کے آنسو آنکھوں سے نکل کر تکیے میں

جذب ہو رہے تھے۔ اسے یاد تھا اس نے عباد سے معافی مانگی تھی۔ عباد نے اسے معاف نہیں کیا تھا بلکہ تمام تر اجنبیت سے اسے دیکھتا رہا تھا اور اس دکھ نے ہی اس کے وجود کی تکلیف کو بڑھایا تھا۔ وہ گری تھی پھر...... پھر...... عباد نے اس کے گرتے وجود کو تھاما نہیں تھا۔ چوٹ کے احساس نے جسم و جاں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پیروں پر سر رکھا تھا تب بھی نہیں۔

''تو...... تو پھر میں کیوں زندہ ہوں۔ کس کے لیے زندہ ہوں۔ کیا ہے میرے پاس......'' آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی گھٹن میں اضافہ ہو رہا تھا وہ چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔ آکسیجن ماسک کو کھینچنا چاہا مگر وہ منہ سے نہیں ہٹا۔ بے بسی سے ہاتھ گر گئے۔ آنسوؤں نے رستہ دیکھ لیا تھا۔ اپنی بے بسی، اپنے دکھ، اپنی تکلیف اور اپنے اکیلے پن پر وہ خود ہی ماتم کناں تھی۔ اسے مکمل ہوش آ گیا تھا۔ روتے روتے اس کا وجود نڈھال ہو گیا۔ ایک بار پھر اس کا ذہن غنودگی میں اتر رہا تھا۔ تبھی دروازہ کھول کر نرس اندر داخل ہوئی پھر اس نے ایک چیخ سنی...... اب نرس مسیحائی کر رہی تھی۔

''ڈاکٹر دیکھیں ان کا چہرہ بھیگا ہوا ہے ایسا لگتا ہے انہیں ہوش آ گیا ہے اور یہ روئی ہیں۔''

''گڈ! یہ ہماری آرزو تھی۔ ان کے اندر کی گھٹن کم ہو گی۔ یہ انجکشن اسے دو......'' وہ سب آوازیں سن رہی تھی مگر آنکھیں کھولنے کی سکت نہیں تھی۔ بے پناہ تھکاوٹ نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کے ہوش میں آنے کی خبر نے زبیدہ خاتون کو نہال کر دیا۔ بے اختیار انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ صدقے کے لیے بکرا منگوایا۔

''میری بچی نے بہت دکھ سہا ہے۔'' ان کے لہجے میں محبت تھی۔

اگلی بار جب اس کی آنکھ کھلی تو سارے چہروں کو اپنے اردگرد دیکھتی رہ گئی۔ اتنی اہمیت...... کیا وہ اس قابل تھی۔ امی، ابو، ندا بھابی، اویس بھائی، عباد اور راحمہ بھابی کی گود میں حمزہ...... اس کے چہرے پر آکسیجن ماسک نہیں تھا۔ وہ اک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی۔ امی نے بے اختیار اسے پیار کیا۔

''کیسی ہو بیٹا......؟'' محبت آج بھی سلامت تھی۔

''شایان کیسی ہو؟'' سب پوچھ رہے تھے۔ عباد یکدم سے باہر نکل گیا۔ شایان کی آنکھوں کے کرب، یاسیت اور گہرے اضطراب نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا تھا، ساحر آنکھوں کی اجنبیت نے اسے گہری کھائی میں گرا دیا۔ اب اسے خود کو سنبھالنا تھا۔ تنہا جینا تھا جگہ خالی کرانی تھی۔ عباد اس کا نہیں رہا تھا۔ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اتنا ہی ضدی تھا۔

''حمزہ کو دیکھا کیسے تمہارے پاس آنا چاہ رہا ہے۔'' راحمہ بھابی نے حمزہ کو اس کے پاس بٹھایا۔ لپک کر وہ اس کے اوپر چڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ چھونے لگا۔ اس کے بازوؤں میں جان نہیں تھی کہ حمزہ کو اٹھا سکتی یا چھو سکتی تاہم اس کا روم روم پکار رہا تھا۔

''اسے لے جاؤ ہٹا لو اس کو صبر آ گیا ہے میرے بغیر جی لے گا، میں نے ساری عمر اس کے ساتھ نہیں رہنا۔'' حمزہ اس کے چہرے کو چھو رہا تھا، پیار کر رہا تھا۔ اس کے کرب...... دکھ کو بڑھا رہا تھا۔ آنسوؤں نے ایک بار پھر راستہ دیکھ لیا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔

زبیدہ خاتون نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور ایک بچے کی طرح ان کے سائے میں سمٹ گئی۔ اس وقت آنٹی سارا یاد آئیں۔ وہ جانے کہاں تھیں۔ انہیں خبر تھی یا نہیں۔ پپا...... باپ اس کے وجود سے غافل۔ ابو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اویس بھائی نے تسلی دی، راحمہ بھابی نے الگ کر کے اسے پانی پلایا پھر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''مجھے معاف کر دینا شایان۔'' بہت زیادتیاں ہوئیں ہم سے۔ زبیدہ خاتون بار بار پیار کر رہی تھیں۔ اس کا دل پھر بھر آ رہا تھا۔

''ارے یہاں یہ کیا ہو رہا ہے یہ مریضہ ہیں اور ان کے گرد اتنا ہجوم......'' ڈاکٹر قاسم اندر آ گئے۔

''ایک ایک کر کے بھائی...... بہت سیریس معاملہ ہے بھئی۔''

"ڈاکٹر صاحب اس کے ہوش میں آنے کی خوشی
...اتی تھی کہ بس......"

"چلیں سب باہر، انہیں سکون اور اطمینان کی
...ورت ہے۔ آرام چاہیے اور ایک ایک کر کے ملیں۔"
...ٹر قاسم نے خوشگواریت سے کہا۔ سسٹر شایان کو سہارا
...ے کر لٹانے لگی۔ محبت اور پیار سے دیکھتے ہوئے سب
...رے سے باہر نکل گئے۔ زبیدہ خاتون اس کا ہاتھ
...ے بیٹھی رہیں۔

"لگتا ہے بہو سے بہت محبت ہے۔" فائل رکھ کر
...یں دیکھا۔

"یہ میری بہو نہیں، بیٹی ہے میں نے اسے کبھی بہو
...یں سمجھا۔" دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما (اس میں کیا
...ں تھا۔ امی کا ساتھ نہ ہوتا تو آج وہ کسی ہاسٹل میں رہ
...ی ہوتی۔ میکے میں تھا ہی کون) ان کا ہاتھ مضبوطی سے
...م لیا۔

"بہت لکی ہو تم بیٹا تمہاری ساس تمہیں بیٹی کہہ رہی
...ں۔" ڈاکٹر قاسم نے مزاحیہ انداز...... وہ ہنس بھی نہ
...ں۔ اس کا ہاتھ زبیدہ خاتون کے ہاتھ میں لرز کر رہ
...یا۔

"برخوردار کہاں ہیں آپ کے؟" جاتے جاتے
...ولیا۔

"گھر گیا ہے شاید۔ چینج کرنے کچھ آرام کر لے
...کتنے دنوں سے اس کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔"
شایان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے پاس......
...ٹ گئی...... تو...... خوش گمانی کے بادل اس
...گرد سمٹنے لگے۔

☆☆☆

آج کتنے دن بعد وہ نہا کر فریش ہوا تھا۔ سو کر نیند
...ی کی تھی روح کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ اسے
...ا آ گیا تھا۔ وہ زندہ تھی اور اب اسے اپنی تمام تر
...ہیوں اور زیادتیوں کی معافی مانگنا تھی۔ وہ اتنی بری
...ں تھی جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔ غلطیاں کس سے نہیں
...یں۔ بات اصلاح کی ہوتی ہے کون کتنا درست راستہ
...ار کرتا ہے امی ٹھیک کہتی تھیں۔ شخصیت کو تربیت کا پانی

سکھ کی بارش

اب کے ساون کیسا برسا
دل دریا اور آنکھ سمندر
ہونٹ لرزتے سوکھے پتے
آنکھ کے جگنو بے رونق سے
بوجھل، بے کل، شکستہ چہرے
کیسے بے دم روکھے لہجے
میرے مولا!
سکھ کی بارش اب برسا دے
خوشیوں کی نئی جوت جگا دے

شاعرہ: عظمیٰ شاہین رحیم یار خان

مورنی

بارش نے
جب سے مجھ کو پازیب پہنائی ہے
میں رقص میں ہوں
اور اتنی خوش ہوں
اپنے پاؤں کی بدرنگی کو
دیکھ دیکھ کے بھول رہی ہوں
پر پھیلائے
بھیگے ہوئے جنگل میں
مسلسل ناچ رہی ہوں

شاعرہ: پروین شاکر
مرسلہ: فصیحہ آصف خان، ملتان

نہ ملے تو اس کی تعبیر تو کیسے ممکن ہے امی ٹھیک کہتی ہیں' وہ بہت بدل گئی ہے۔ شیشے میں اپنا وجود دیکھا۔ کتنا خوش تھا۔ اک چمک تھی' بے اختیار مسکرا دیا۔ راستے سے پھول لیے۔ پلٹتے پلٹتے اس کی نگاہ کونے میں رکھے بیگ پر پڑی۔ ہلکی ہلکی گرد کی تہہ میں اضافہ ہو گیا تھا۔

شایان کا بیگ بے اختیار ہی اسے اٹھا کر بیڈ پر رکھا اور کھولا۔ شاپرز میں بند اس کے کپڑے جو شاید اس نے پہنے ہی نہیں تھے۔ سرخ' سبز اور دھانی کلر کا۔

اس سے نیچے ایک پیکٹ' گفٹ پیک تھا بے اختیار نکالا۔ اس پر ننھا منا سا کارڈ تھا۔ دھیرے سے کھولا۔

گلاب کی کلی ہتھیلی پر گر گئی۔ مرجھائی ہوئی باسی۔ خوشبو اطراف میں پھیلی۔ سیاہ روشنائی سے لکھا تھا۔

''میرے ہمسفر تیری نذر ہیں' میرے جذب دل کی شدتیں
میرا خواب میری بصارتیں' میری دھڑکنیں میری چاہتیں
میرے روز و شب کے نصاب میں میرے پاس اپنا تو کچھ نہیں
تیرا قرض ہے میری زندگی میری سانس تیری امانتیں''

دھیرے سے گفٹ پیک کھولا۔

پرفیوم کٹ اور باڈی اسپرے۔ اتنا پرانا تھا یہ۔

وہ جا رہا تھا تو امی کے کہنے پر اس کے میکے سے لے کر آیا تھا اور دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ خوامخواہ میں آنکھیں بھیگنے لگیں۔ محبت کرنے والوں کے ساتھ اتنی زیادتی ٹھیک نہیں...... عباد نے خود کو سرزنش کی۔ کارڈ کو لبوں سے لگا کر چوم لیا۔

''آئی لو یو...... سوئٹ'' تمام تر محبتیں پھر سے زندہ ہو گئی تھیں مگر وہ سوئی کب تھیں۔ انہوں نے تو خفگی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا اور وہ موسموں کے ساتھ ساتھ دلوں نے بدلنا ہی ہوتا ہے۔ دھیرے سے اٹھ گیا۔ اس کی محبت کی شدت اس کے تن من میں پھیل گئی۔

☆☆☆

پھولوں کا بوکے تھام کر وہ ڈاکٹر قاسم کے روم کے آگے سے گزرا تو انہوں نے بے اختیار آواز دے کر روک لیا۔

''عباد......'' وہ بے اختیار پلٹا۔

''جی......!'' بے اختیار مسکرا کر اپنا ہاتھ بڑھایا۔

''السلام علیکم''

''وعلیکم السلام...... کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے سر جھکا لیا۔

''ویلڈن' بہت اچھے۔ صبح سے میں تمہارا منتظر تھا۔ یہ بتانے کے لیے اسے بے شک ہوش آ گیا ہے مگر اس کی اندرونی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر اگر ایک بار پھر مایوسی کا دورہ پڑ گیا تو اسے ہم بچا نہیں سکتے۔ آکسیجن کا ماسک بھی نہیں۔ اسے محبت کی آکسیجن کی ضرورت ہے۔ اسے تر و تازہ چاہت کی ہوا چاہیے۔''

اس کے شانے پر بازو دراز کیے دھیرے دھیرے روم نمبر الیون کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ''اس کے مرجھائے ہوئے وجود کو یقین کی کھاد اور اعتبار کا پانی دو۔'' وہ سب دیکھ رہی ہے مگر بولتی نہیں ہے۔'' دھیرے سے اس کے روم کے آگے رک گئے۔

''مجھے یقین ہے جب محبت کرنے والے مرد کے شانے پر بیوی کے آنسو جذب ہوتے ہیں تو......'' انہوں نے گہرا مسحور کن سانس لیا۔ ''تو...... سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔'' اس کے شانوں پر محبت سے ہاتھ رکھے۔ وہ ہنس دیئے۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم یہ بازی جیت لو گے۔''

''بے شک......'' مسکرا کر انہیں دیکھا۔ ڈاکٹر قاسم نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

''جائیے۔'' وہ خجل ہو گیا۔ ''مجھے تم سے خصوصی انسیت ہے۔'' محبت سے اس کا بازو تھاما۔ عباد نے چمکتی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور چاہتوں کے پھول لیے روم میں داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر قاسم نے مسکراتے ہوئے اپنے روم کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

شایان بظاہر آنکھیں موندے لیٹی تھی مگر اس کا ذہن' اس کا دل' اس کی روح جاگ رہی تھی۔ عباد کے لیے اس نے کیا نہیں کیا تھا جانے کیسی محبت تھی جس نے اپنے پنجے اس کے وجود میں اندر تک گاڑ دیے تھے۔ اس کا ناروا سلوک' کج ادائی' گریز کسی نے بھی تو اسے باطل نہیں کیا۔

اس کی محبت وہاں سے شروع ہوتی تھی جہاں سے عباد اسے چھوڑ گیا تھا۔ دھتکار گیا تھا۔ انسانی نفرت نے اس پر طعنے تشنوں کی بارش کر دی تھی اور وہ پور پور اس کے درد میں بھیگتی اسے پکارتی رہ گئی تھی۔ محبت میں انسان دھکا کھا کر گر پڑے یا تو وہ باغی ہو جاتا ہے یا پھر محبت میں مبتلا ہو کر پلٹ پڑتا ہے اور محبت کے پیچھے بھاگتا لپکتا ہے۔ عباد اس کے لیے کیا تھا جانے کے بعد احساس ہوا تھا اور یہ احساس اتنا قوی ہو کر اس کے تن من میں رقص کرنے لگا تھا کہ وہ سرتاپا بدل گئی۔ تمام بری عادتوں کو چھوڑ دیا۔ رعنا بھابی کی حقارت...... راحمہ بھابی کی تیکھی، ذو معنی طنزیہ نگاہیں اور ندا بھابی کے رویے بھی اس نے عباد کے لیے سہے تھے۔

عباد کے لیے اس نے خود کو ختم کر دیا۔ اپنے اندر کی زندہ لڑکی کو مار دیا۔ کیا اس کی محبت کمزور تھی۔ کیا محبت نے محبت کو اسی شدت سے نہیں پکارا مگر عباد...... عباد رکتا کیوں...... وہ...... وہ تو ان مردوں میں سے تھا جو ایک بار گزر جائیں تو پلٹ کر نہیں دیکھتے پھر وہ رک کر کیا کرے۔ شدتِ برداشت سے اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ پپوٹوں میں لرزش ہو رہی تھی۔ عباد کی آنکھوں میں کوئی عکس اس کے نام کا نہیں تھا۔ وہ مر رہی تھی مگر عباد کی آنکھوں میں جذبہ محبت نہیں تھی۔ وہ گر رہی تھی اس کو سنبھالنے کے لیے آگے نہیں بڑھا اور اس کا خون آلود وجود اس کے پیروں پر تھا۔ اسے تھامنے کے لیے وہ جھکا نہیں۔ اس کے وجود میں کوئی عکس اس کے نام کا نہیں تھا۔ تو...... تو کب تک اس کی راہوں میں بھکارن بن کر کھڑی رہے۔ بھکارن!...... آنسو آنکھوں کی دہلیز پار کر گئے۔

محبت کی بھکارن۔ مشرق کی وفا شعار بیوی...... مگر...... ضروری نہیں زندگی میں ہر دفعہ ہر چیز اسی مقام پر ملے۔ وہ اب عباد سے کچھ نہیں کہے گی اور یہ گھر چھوڑ دے گی اور اک نئی زندگی شروع کرے گی۔ حمزہ...... حمزہ تو اس کے بغیر رہنے کا عادی ہو گیا ہے......

متحدہ عرب امارات (U.A.E) کے معزز بک سیلرز اور قارئین متوجہ ہوں

جاسوسی ڈائجسٹ
سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ
ماہنامہ سرگزشت
ماہنامہ دلکش

ادارۂ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

کی جانب سے میسرز ویلکم بک شاپ، دبئی کو فوری طور پر

متحدہ عرب امارات (U.A.E)

کے لئے سول ڈسٹری بیوٹر مقرر کر دیا گیا ہے۔

بک سیلرز، دکان دار اور ہاکر حضرات مذکورہ بالا ماہناموں کے آرڈر بک کرانے کے لئے فوری طور پر مندرجہ ذیل پر رابطہ کریں۔

WELCOME BOOK SHOP

P.O.BOX 27869, KARAMA, DUBAI.
PHONE: 04-3961016 FAX: 04- 3961015 CELL: 050-3059259
E-mail: welbooks@emirates.net.ae 050-6245817

"اور تم...... تم کیسے رہو گی......؟" کوئی اندر سے بولا۔

"ایسے ہی......" اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔

"جیسے عباد کے بغیر رہوں گی......" دونوں ہتھیلیاں آنکھوں پر رکھ لیں۔

عباد نے حیرت سے اس کے بیڈ کے پاس کھڑا ہو کر آنکھیں بند کیے اس کے روتے، مچلتے، سسکتے وجود کو دیکھا...... امی نے بتایا تھا اس نے کیسے تمہارے لیے خود کو پالش کیا ہے ورنہ عادتیں اس طرح نہیں بدلتیں دھیرے سے پھول اس کے سرہانے رکھے۔ بیڈ کے سرہانے ہاتھ رکھ کر دھیرے سے جھکا اور دوسرا ہاتھ اس کے بھیگے ہوئے رخسار پر رکھا۔ اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور ساکت ہو گئی۔ خود پر جھکا ہوا عباد...... آنکھوں میں رقم محبت۔ چہرے سے چھلکتا پیار اور اس کے وجود کی مسحور کن خوشبو...... اس کا لمس۔

"یا اللہ......" اس کے ہونٹوں سے نکلا اور دھیرے سے سوچتے ہوئے پپوٹے بند ہو گئے۔

"خواب ہے یا...... حقیقت......" خواب ہے تو اتنا بھرپور کہ عباد کا حدت آمیز لمس اس کی پیشانی پر ٹھہرا' اک بار پھر آنکھیں کھل گئیں۔

"زندہ...... حقیقت...... عباد"

"کیسی ہو؟" اس کی انگلیاں مژگاں خشک کر رہی تھیں۔ وہ اک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

"اتنی کمزور دل کی تو نہیں تھیں تم۔" دھیرے سے پلکوں کو چھوا۔ "کیا یقین نہیں آ رہا؟" وہ اسے اپنے ہونے کا' اپنے آنے کا یقین دلا رہا تھا اور وہ پور پور بھیگتی جا رہی تھی۔ اس کا وجود بھیگ گیا تھا۔

"عباد......" وہ سسکی۔ عباد نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کا وجود گویا پھٹ گیا وہ چیخ چیخ کر رو دی۔ جانے کب کے کہاں کے رکے ہوئے آنسوؤں نے رستہ دیکھ لیا۔ "کیوں آئے ہیں' مر جانے دیں مجھے' بری ہوں میں بہت بری۔" وہ بلک بلک روئی اور اپنے مضبوط بازوؤں میں لیے عباد اسے اس کا "اچھے" ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ اس کا لوٹنا ہی اس کے اچھے ہونے کی دلیل تھی۔

مسلسل گریہ' کمزوری' نقاہت نے ایک ساتھ اس پر حملہ کیا۔ دوسرے لمحے وہ ہاتھوں سے پھسلتی بیڈ پر تھی۔

"شایان' شایان...... شہنی۔" حواس باختہ ہو کر عباد نے اسے جھنجوڑ دیا۔

"شہنی...... شہنی آنکھیں کھولو۔ یار اب نہیں...... اب بہت ہو گیا۔ میں' میں......" وہ رو دینے والا ہو گیا۔ اسے لٹا کر باہر بھاگا۔ ڈاکٹر قاسم نے آ کر اسے چیک کیا اور سب ٹھیک ہے کی نوید دی۔

"بس بے پناہ خوشی نے انہیں مدہوش کیا ہے۔"

"اوہ' سر۔" خوشی سے اپنی بھیگی پلکوں کو صاف کیا۔ مسکراتے ہوئے ڈاکٹر قاسم باہر نکل گئے۔ عباد نے پلٹ کر اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے پہلو میں بیٹھ کر اک ہاتھ تھام کر دوسرا ہاتھ اس کے رخسار پر رکھا۔

"شایان...... شایان......!" دھیرے سے پکارا اور اس پکار' اس محبت کا تو اسے مدت سے انتظار تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو محبت اسی مقام پر تھی جہاں سے روٹھ کر چلی گئی تھی۔

"زندگی سے محبت کو نکال دیا جائے تو کیا رہ جاتا ہے جانِ عباد! میں...... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ لوٹ آیا ہوں۔ صرف تمہارے لیے......" لفظوں سے ہی نہیں لمس سے بھی اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

"تمہاری جدوجہد' تمہاری محنت' تمہاری محبت رائگاں نہیں گئی۔ سچی محبت خود بخود ہی خود کو منوا لیتی ہے۔" وہ احساسِ تشکر سے اسے دیکھے جا رہی تھی اور اس کی آنکھیں اک بار پھر بھیگنے لگیں۔ احساسِ محبت سے۔

عباد نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کے شانے سے سر ٹکا کر بازو پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ سرشاری کا احساس' خلوتوں کے ہم قدم.... رقص کرنے لگا۔